

نام کتاب مثنوی ابر گہر بار

شمارہ در نمایشگاہ

از کتابخانہ مولوی سید مرتضیٰ حسین

عربی ۱۲۶۲/فہ

تالیف و تدوین

مثنوی ابر گہر بار غالب

فارسی - ادب نظم - مطبوعہ

صفحات ۷۴

مقدمہ، تحقیق متن

مرتضیٰ حسین فاضل

ابتدائیہ: تحسین سروری

سہ ماہی اردو، کراچی

شمارہ جنوری تا اکتوبر ۱۹۶۶ء

نسخۂ محفوظ مؤلف



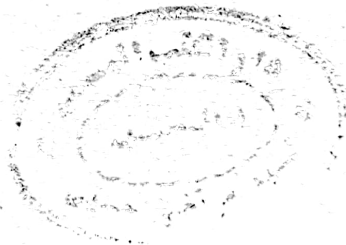
مرتضیٰ حسین عفی عنہ فاضل لکھنوی

چھاپ اردو، سہ ماہی کراچی

بالاقساط جنوری، اپریل، جولائی، اکتوبر ۱۹۶۶ء







مثنوی

ابر گہر بار

تصنیف

مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی

ترتیب و مقدمہ

مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی

ابتدائیہ

تحسین سروری

غالب از خاک پاک تورانیم
لا جرم در نسب فره مندیم
ترک زادیم و در نژاد همی
بسترگان قوم پیوندیم
ایبکم از جماعه اتراک
در تمامی زماه ده چندیم
فن آبائے ماکشا در زیست
مر زبان زاده ٔ سمرقندیم
ور ز معنے سخن گزار ده ٔ
خود چه گوئیم تا چه و چندیم
فیض حق را کمینه شاگردیم
عقل کل را بهینه فرزندیم
هم به تابش به برق هم نفسیم
هم به بخشش به ابر مانندیم
به تلاشیکه هست فیروزیم
به معاشیکه نیست خرسندیم
همه بر خویشتن همیگریم
همه بر روزگار می خندیم

مقدمه

مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی

''سبک ہندی'' کے صاحب طرز، محبوب و مشہور اساتذہ میں ظہوری کے ''ساقی نامہ'' نے جو عروج پایا وہ خسرو کے علاوہ شاید ہی کسی کی نظم طویل کو حاصل ہوا ہو۔

غالب، ظہوری کے مقابلے میں خفائی بھی تھے اور اسی کی تخلیقات کے عاشق و شیدا بھی۔

به نظم و نثر مولانا ظهوری زنده ام غالب
رگ جاں کرده ام شیرازه، اوراق کتابش را

———

زلّه بردار ظهوری باش غالب، بحث چیست
در سخن دریوزه باید، نه دکّان داری



———

غالب از من شیوهٔ نطقِ ظهوری زنده گشت
از نواجان، در تن سازِ بیانش کرده ام

———

غالب از اوراق ما، نقشِ ظهوری دمید
سرمهٔ حیرت کشیم، دیده به دیدن دهیم

———

یہ تاثر اس حد تک چھایا ہوا ہے کہ اردو فارسی نظم و نثر میں اکثر

ظہوری کا
اس کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ 'مثنوی ابر گہر بار، بھی اسی تاثر کا ایک نتیجہ ہے۔ چنانچہ فردوسی سے جامی اور جامی سے غنیمت تک سینکڑوں شاعر ہیں، ان کی بےشمار مثنویاں موجود ہیں، مگر غالب نے ان میں سے صرف تین شاعروں کا نام لیا ہے۔ فردوسی، نظامی، زلالی۔ فردوسی کو تو ان لفظوں میں یاد کیا ہے:

گزشت آنکه دستانسرای کہن   ز کیخسرو و رستم آرد سخن
منم رکنم بود در تراز کلام   شہنشه پیمبر، سپہبد امام
ز فردوسیم، نکته انگیز تر   ز مرغ سحر خواں، سحر خیز تر
فرو مردن شمع ساسانیاں   بود صبح اقبال ایمانیاں

نظامی کا تذکرہ کرتے وقت ان کی طبیعت ذرا رواں ہوئی مگر تیور میں رجز کے بجائے زمزمے کا انداز پیدا ہو گیا ہے اور انہی اشعار کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ غالب رزم کے مرد میدان نہیں:

بدیں جاده کا ندیشه پیموده است   غمم خضر راه سخن بوده است
نظامی نیم کز خضر در خیال   بیا موزم آئین سحر حلال
زلالی نیم، کز نظامی بخواب   به گلزاردانش برم جوی آب
نظامی کشد ناز، تابم کجا   زلالی بود خفته، خوابم کجا
مرا بسکه در من اثر کرده غم   به مرگ طرب مویه گر کرده غم

یہ اشعار مغنی نامے سے لئے گئے ہیں، اگر واقعہ طویل و ضخیم رزمیہ مثنوی کا خاکہ تھا تو غالب پر لازم تھا کہ فردوسی و نظامی کو للکارتے، لیکن رزمیہ مثنوی میں آٹھ نو سو شعر کہنے کے بعد پہلے نظامی کو یاد کرنا اور اس کے سو شعروں کے بعد 'ساقی نامے' میں فردوسی کا ذکر اور وہ بھی تین چار شعروں میں، تعجب خیز بات ہے۔

حقیقتاً مثنوی صبر آزما، محنت طلب، اور فکری تسلسل و ارتقا چاہتی ہے، پھر رزمیہ مثنوی؟ غالب، سہل انگار، بے فکرے، مست و مطمئن خیال آدمی تھے۔ ہماری شاعری کی روایت میں شاعر ''صلہ بھی چاہتا ہے اور داد بھی'' غالب کا عہد دونوں خزانے لٹا چکا تھا۔ دلی میں سپاہیانہ رہن سہن تھا

نہ شجاعانہ سرگرمیاں ، لکھنؤ میں مذہب کے سہارے مرثیہ ابھرا ، فضا سازگار تھی لہذا داد بھی ملی اور صلہ بھی ، دہلی میں یہ بھی نہ تھا ، ایک ہزار شعر کہنے کے بعد بھی یہ عالم کہ :

کسم در سخن کار فرمای نیست   به بخشندگی همت افزای نیست
چه گوید زبان آور بی نوا ؟   چه آید زهیلاج بی کتخدا ؟

''خون در دل ، آشفته مغز'' انسان کیا کہے؟ اور کس سے کہے؟ فارسی کا ذوق ، مثنوی خوانی کا شوق ناپید ہو چکا تھا ، میں تو کہتا ہوں اتنے شعر کہہ لئے کمال کردیا ۔ اردو میں تو تین بند سے چوتھا بند کہتے نہ بنا ۔

کلیات میں گیارہ ، اور نوادر میں تین چار مثنویاں موجود ہیں ان میں سے 'ابر گہر بار' کے سوا ایک بھی دو سو شعروں سے آگے نہیں جاتی ، پھر وچراغ دیر ، ہو یا و باد مخالف ، سب پر بزم کا رنگ غالب ہے ، یہ بزمیہ انداز خالص بزمیہ ہے نہ رزم و بزم کا مرکب ، بلکہ وہ بزم جو غالب کے ذہن میں بھی تھی اور خارج میں بھی ، یعنی بزم نرد، اور رزم حاسدین و قرضخواہوں کی فکر اور شراب کا نشہ ، احباب سے لطیفے بازیاں اور گھریلو معاملات میں الجھنیں ، کبھی یہ خیال کہ اب یہ قصیدہ لکھا اور اودھ سے ہنڈوی آئی ، فلاں افسر سے ملے اور پنشن کا قصہ طے ہوا ۔ لیکن خوبیٔ تقدیر کہیئے کہ دہلی سے لکھنؤ گئے ناکامی ہوئی ، کلکتہ گئے تو جو کچھ باقی تھا وہ بھی باقی نہ رہا ، دلی میں عزیزوں کے طعنے ، دشمنوں کے حملے ، قرضخواہوں کے دعوے، حریفوں کے طنز ، سسرال میں ان سے زیادہ کوئی مفلس نہ تھا ۔ ذوق کا عروج اور صہبائی کی مقبولیت ہمت شکن باتیں تھیں ، قدردانوں کی نایابی، غم گساروں کی کمی، درد نارسائی، بے اولادی و ناداری نے ان کے احساس الم کو اثر انگیز بنا دیا تھا ، پھر غالب کی طبع جدت پسند و تخیل نادرہ کار نے اسے پہلو عطا کئے ، شراب اور طبع لطیف نے کیف بخشا ۔ لیکن خود غالب کے اعمال و خیالات میں استقلال کی کمی ہوگئی وہ ہلاک غم دوراں اور ''یک گونہ بیخودی'' کے قائل ٹھہرے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ''اپنی شکست کی آواز'' بن کر سپر انداختہ نظر آنے لگتے ہیں ۔

نباشم گر از ''گنجه'' گنجم بس است   به غم گر چنیں پرده سنجم بس است
کنونم به سر شور گفتار نیست   به ساز غزل زخمه بر تار نیست

به شعر ارچه کمتر شکیبم همی
بدین پرده خود را فریبم همی

کسی کش بجائے بود دل به بند
به افسانه لختی گسارد گزند

کسی را که باغم شماری بود
روا باشد ار غمگساری بود

که در خستگی چاره جوئی کند
به غم خواری افسانه گوئی کند

چو میرد برآں مردہ نالد هم او
سر انجام کارش سگالد هم او

مرا بیں که چوں مشکل افتاده است
چه خونهاست کاندر دل افتاده است

خود از درد بیتاب و خود چاره جوئی
خود آشفته مغز و خود افسانه گوئی

به تنهائی از همدمان خودم
به دل مردگی نوحه خوان خودم

کسم در سخن کار فرمائی نیست
به بخشندگی همت افزائی نیست

یہ ہے وہ پس منظر جس میں ''ابر گہر بار'' کی تخلیق ہوئی ، بلا شبہ اس زمانے میں غالب بہت بوڑھے نہیں تھے ، مگر سفر کلکتہ اور قرضخواہان دھلی نے انہیں بہت بوڑھا بنادیا تھا ۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مثنوی کتنی مدت میں انجام پزیر ہوئی ۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ ۱۸۴۷ع میں زیر نظر اشعار لکھے جا چکے تھے اور سر سید نے جو پندرہ سولہ جز دیکھے تھے وہ زیادہ نہ ہو سکے ۔

مثنوی کے بارے میں غالب کی رائے

پوری مثنوی نکتہ آفرینی ، رنگ اور آھنگ کے لحاظ سے اپنے عہد کی

تمام مثنویوں پر بھاری ہے، حمد و نعت، منقبت و مغنی نامہ و ساقی نامہ میں بیان کے جو پیرائیے اختیار کیے ہیں وہ غالب کے علاوہ متاخرین میں کسی کو میسر نہیں - انھوں نے خود اس مثنوی کے بارے میں جو تعارف لکھا ہے وہ بلاشبہ بڑا بھرپور، مکمل اور خود مرزا کے تنقیدی شعور کا بہترین نمونہ ہے - اپنے انداز سخن، مثنوی کے محرک، اس کی تقسیم اور نامکمل رہنے کا سبب سبھی کچھ تو لکھ دیا ہے۔

عام انداز فن :

ریزش نمک طرز عرفی شیرازی، و آمیزش
شکر ادای نظیری نیشاپوری، شور انگیزی و
گلوسوزی حسن، برشته آن شاهد غیبی افزودند
غزل و قصیده و قطعه و رباعی را
در فر جام کشی (خوشی) و دلکشی لفظ و معنی کار
از ان گزشت که دیگری را در اندیشه گزرد

مثنوی کا محرک :

بسیچ بنشتن مثنوی دلنشین‌افتادفردوسی‌طوسی‌رابه رهنمائی‌و
نظامی گنجوی را به نیروفزائی گماشتند -

موضوع مثنوی :

در ضمیر زود پزیر من چنان فرود آمد که غزوات خداوند
دنیا و دین، حضرت امام‌المرسلین سلام‌علیه من‌رب‌العالمین
به بند نگارش اندازم -

تقسیم موضوعات :

توحید و مناجات و منقبت و ساقی نامه و مغنی نامه پیدائی
پزیرفت

مثنوی پر رائے:

باچمانی (ساقی) و خنیا گر (مطرب) بسا سخنهای دلآویز و مهر انگیز گفته آمد ـ ویژه در مناجات به شیوهٔ ابداع بدان سان رندانه و قلندرانه سخن سروده شد که سروشان بهشتی را لب از شور ' هایاهوی ' تبخاله زد ـ و در بارهٔ معراج عروج فکر آن پایه یافت که سخن از جای که می رفت هم بد انجا رسید ـ

شیخ اصغر علی صاحب نے مثنوی کا تفصیلی(۱) مطالعہ کرتے ہوئے اشعار اور خلاصہٴ مضمون سے بحث کی ھے ـ میں اس سلسلے میں صرف دو تین اھم باتیں اور ضروری اختلافات بیان کر کے اپنے مقالے کو ختم کرتا ہوں ـ کرچکے

زمانہٴ تالیف

اصغر صاحب اور بعض دوسرے حضرات کی رائے میں مثنوی ۴۶-۱۸۴۷ع میں شروع کی جا چکی تھی ، مگر منقبت ، مغنی نامہ اور ساقی نامہ بعد میں لکھے گئے ـ

میرے خیال میں ، مرزا کے مکاتیب کلکتہ سے باخبر حضرات جانتے ھیں کہ غالب کی صحت ان دنوں اچھی نہ تھی وہ ایک وقت کھانا کھاتے تھے (دیکھئے خط ۷، آثار غالب ص ۲۰) جوانی کے دن تھے مگر صحت کے اعتبار سے اپنے تئیں " بایں تن لاغردلم را فربہی و تنومندی بخشیدہ است" بتاتے ھیں ـ پھر ۱۸۴۷ع میں پچاس سال کی عمر تھی اور مسلسل بیمار آدمی کا اس عمر میں بوڑھا ھوجانا کوئی تعجب خیز بات بھی نہیں ھے ـ

۱۸۵۰ع کے بعد مرزا کی روز مرہ مصروفیات و مشاغل کی تفصیلات ھمارے سامنے ھیں ـ اگر ' مثنوی ابر گہر بار ' زیر قلم ھوتی تو بظاھر اس کا تذکرہ نظر انداز کرنا مشکل تھا ـ پھر ' مغنی نامہ ' کا یہ شعر:

---

(۱) دیکھئے اورئینٹل کالج میگزین ۱۹۵۸ع

کسم ، در سخن کار فرمائی نیست
به بخشندگی همت افزائی نیست

صاف بتاتا ہے کہ ابھی تک مرزا وابستگان دولت ظفر شاہ میں داخل نہیں ہوئے ہیں اور یہی الجھن آخر تک ملتی ہے کہ

نه گفتی که بیزار گشتم زمی
بریدم زبزم و گزشتم زمی

یہ کیفیت حادثۂ اسیری اور اس کے بعد ہی کی ہو سکتی ہے، ان دنوں مرزا قرض سے بھی دبے ہوئے تھے اور قید میں شراب کا ملنا کہاں ممکن تھا. ممکن ہے اسی عہد پر آشوب میں یہ کافر بھی چھٹی رہی ہو۔

همانا تو دانستهٔ کز دو سال   ننوشم می ، الا به بزم خیال

سے یہ قیاس کرنا کہ ''یہ ٹھیک ۱۸۵۷ء کے بعد کا دور ہے'' بہت بڑا مسامحہ ہے۔ مرزا ھنگامۂ ۱۸۵۷ء میں بھی پیتے تھے، ان کے دوست ارمغان میں بھیجتے رہے -- جس کے لئے اردوے معلی کے خطوط موجود ہیں - ۴۷ سے ۱۸۵۰ء تک کا زمانہ بہت سختیوں میں گزرا ہے، اور یہ کام اسی زمانے میں ہوا ہے- مثنوی کے آخری اشعار واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ ساقی نامہ عہد ترک شراب میں انجام پذیر ہوا ہے:

دگر غالب ، ای عهد و رایٔ تو مست
به پیمان دانش وفایٔ تو مست

حدیث می و شیشه و جام چیست ؟
چه گوئی و این شیوه را نام چیست ؟

نه گفتی که بیزار گشتم زمی
بریدم زبزم و گزشتم زمی

به مستی درین راه دستان مزن
میاشوب و هویٔ چومستان مزن

ادب ورز و دین جوی و آئیں گزین
به فن سخن شیوهٔ دیں گزین

به کاری زدی دست، کز ساز تو
دم جبر ئیلست همراز تو
چو کشتی نشینان دریا نورد
به سیر از رهت بر مخیزاد گرد
ترا بخت درکار یاری دهاد
به پیوند دین استواری دهاد

آخری شعر بتاتا ہے کہ ' ترک ارادہ ' اور نامکمل کام کی معذرت کے لیے بھی کچھ نہ لکھ سکے ۔ ہو سکتا ہے کہ ' کالے میاں ' کے یہاں رہتے رہتے یہ خیال ابھرا مگر بزم کے صدر نشین رزم کے مد و جزر برداشت نہ کر سکے۔ جیسے غدر کے زمانے میں ''دستنبو'' کا کام سرسری ہو کے رہ گیا یونہی مثنوی بھی نامکمل رہی ۔

مثنوی کی خصوصیات

حمد سے ساقی نامے تک روانی اور شوخ طبعی کے اتنے اچھے نمونے ملتے ہیں کہ قاری ذرہ برابر بھی بے لطف نہیں ہونے پاتا ، حمد کی شوخیاں ، مغفرت طلبی کے انداز میں وہ جوش کہ گستاخی تک پہنچ جاتا ہے ۔ مگر چونکہ شاعر نے کلیجہ نکال کے رکھ دیا ہے اسے جنت اور جہنم سے دلچسپی نہیں ، اسے اپنے رحیم خدا پر بھروسہ ہے ، حسرتوں کا دفتر اور گناہوں کا بوجھ لئے ہوئے میدان حساب میں جانے کو تیار ہے ، پھر وہاں کے لئے یہ انتظام کیا :

بدین مویه در روز امید و بیم
به گریم بد انسان که عرش عظیم
شود از تو سیلاب را چاره جوی
تو بخشی بدان گریه ام آبروی
وگر خون حسرت هدر کرده ای
ز پاداش قطع نظر کرده ای
گزشتم ز حسرت ، امیدیم هست
سپید آب روی ، سپیدیم هست
که البته این رند نا پارسا
کج اندیشه ، گبر مسلمان نما
پرستار فرخنده منشور تست
هوادار فرزانه و خشور تست

اقبال کا شکوہ پڑھئے، پھر غالب کی حمد کا مطالعہ کیجئے ، یہ معلوم ہوگا جیسے ناز بندگی اور اعتماد بندہ پروری میں غرق ، شب تار میں بیٹھا مناجات کے پردے میں درد دل کہہ رہا ہے۔ درد بھی ایسا جو احساسات کی موت اور جذبات کی فنا ہے :

بسا روزگاران به دل دادگی | بسا نو بهاران به بے بادگی
بسا روز باران و شبهای ماه | که بود ست بی می به چشمم سیاه
افقها پر از ابر بهمن مهی | سفالینه جام من ، از می تهی
به ناسازگاری ز همسایگان | به سرمایه جوئی ز بی مایگان
به گیتی درم بی نوا داشتی | دلم را اسیر هوا داشتی
نه بخشنده شاهی که بارم دهد | به هر بار زر پیل بارم دهد
که چون پیل زانجا بر انگیز می | ز رش بر گدایان فرو ریز می

اس شکوہ آمیز حمد میں نکتہ آفرینیاں اور بذلہ سنجیاں سونے پر سہاگہ ہیں نعت میں یہ جوش' جذبہ و مستی میں بدل جاتا ہے۔ ثقاہت و اعتدال ہے، لحاظ بزرگی اور پاس عظمت ہے۔ پھر اس ترانہ نعت کو زیادہ بلا اثر بنانے کے لئیے 'معراج، کو نظم کیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ غالب نے جس پیارے انداز سے معراج نظم کی ہے اس سے مرزا کی نادرہ کاری ، منظر نگاری کی انتہا معلوم ہوتی ہے۔ آنحضرت صلعم کے آسمانی سفر کی منزلوں کا بیان جس لطافت کا متقاضی تھا مرزا نے اسی لطافت سے کام لیا ہے لفظوں کا در و بست، تشبیہ اور استعاروں کا سلسلہ ، سماں باندھ دیا ہے۔ فلک چہارم کا حال بیان کرتے کرتے ایک مخلوق محترم کی حالت اور شوق زیارت حضور سرور کائنات صلعم میں یہ کہنا :

قدم بوس پیغمبر آهنگ کرد | ز بس بوسه جا بر قدم تنگ کرد
ز مهرش به جنبش در آمد لبی | به هر بوسه رست از فلک کوکبی
بدینسان که گردون پر از کوکبست | همانا ز گلبازی' آن شبست

اور پھر منزل دنی فتدلّیٰ کے موقع پر یہ لطیف ترین شعر کہ

قدم زد براهی که رفتن نه داشت | نگهبان و همراه و رهزن نه داشت
غبار نظر شد زره ناپدید | سراپای بیننده شد جمله دید

تماشا هلاک جمال بسیط فروغ نظر موجهٔ زاں محیط
احد جلوہ گر باشیون و صفات نبی محو حق ، چوں صفت عین ذات

منقبت میں پہنچ کر یہ روانی و جوش ، احترام و جذبہ تقدیس والہانہ جذب اور مجذوبانہ آہنگ اختیار کر گیا ۔ آغاز ھی میں ایک رنگ ھے ۔ ایک کیف و سر مستی ھے ، ایک فخر و انبساط ھے ۔

هزار آفرین بر من و دین من که منعم پرستی ست آئین من

قلندرانہ تیور ، نصیریانہ خیالات ، علی پرستی کا جوش ، قلم و دماغ و خیال کو بے قابو کئے دیتا ھے ۔ ایک سو اٹھائیس شعر اور ایک بھی زاید و بیکار نہیں ھے ۔ لوگوں کا خیال ھے کہ غالب ، حب علی میں اس قدر سرشار ھیں کہ ان کی غزل ھو قصیدہ یا رباعی ، جہاں بھی اس کی چاشنی آئی وھاں لذت و جوش و کیفیت کا عالم ھی کچھ اور ھے ۔ ہندی اساتذۂ فارسی میں مرزا اس کیف و سرور میں منفرد ھیں ، در حقیقت وہ حضرت علی کو فقط امام اول ھی نہیں ، کچھ اس سے بھی زیادہ مانتے ھیں ، دیکھیے تو سہی کہتے ھیں :

زیزداں نشاطم به حیدر بود ز قلزم بجو ، آب خوشتر بود
نبی را پزیرم به پیمان او خدا را پرستم به ایمان او

لیکن اپنے اثناعشری ہونے کو نظر انداز نہیں کرتے ، کفر کے ڈر سے پہلو بچاتے ھیں :

پدیدار در خاندان نبی به گیتی در ، از وی نشان نبی
علی راست بعد از نبی جای او هماں حکم کل دارد اجزای او
همانا پس از خاتم المرسلین بود تا به مهدی ، علی جانشین

حد یہ ھے کہ :

ندارد غم و غصه بزدان پاک علی را اگر بنده باشم چه باک
تو غافل ز ذوق ثنا گوئیم سزا گویم و نا سزا گوئیم

اس موقع پر عرفی کی لاش کا نجف جانا اور اس کا اپنی زندگی میں پیشین گوئی کرنا مرزا کے لئے رشک کا سبب بنا ھے ۔ میری رائے میں عقیدت و رشک کا

اظہار جس شدت سے ان بیس بائیس شعروں میں ہے اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ احساس شکست، غم ناکامی، اندوہ نارسائی اور یقین قبولیت نے انھیں ایسے انداز سے پیچ و تاب کے اظہار میں کامیاب بنایا ہے جو مرزا کی ولایت کا دھوکہ دیتا ہے۔

چو عرفی سر و برگ نازم کجا ‌ ‌ ‌ به دعوی زبان درازم کجا
طلب پیشگان را به دعوی چه کار؟ ‌ ‌ ‌ ز بخشنده یزدانم امیدوار
چه کاهد زنیروی گردان سپہر ‌ ‌ ‌ چه کم گردد از خوبیٔ ماه و مہر
که دل خستۂ دهلوی مسکنی ‌ ‌ ‌ ز خاک نجف باشدش مدفنی

علامہ اقبال نے حمد اور رفیق خاور (۱) نے ساقی‌نامہ کو اردو میں ڈھالا۔ ضرورت ہے کہ 'منقبت' کو بھی کوئی قادر البیان پیرایۂ ترجمہ بخشے۔

مغنی نامہ و ساقی نامہ تک بزمیہ انداز، شکوہ کا رنگ اور حسرتوں کا غم چھایا ہوا ہے۔ اور شاید مثنوی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جوش و مستی کے ساتھ حسرتوں کی کھٹک اور درد نایابی اور تمنا کی کسک سمودی گئی ہے۔

غالب ساقی نامے پر پہنچ کر رگ گئے، شاید اس کے بعد انھیں رزم یا تاریخ سے سابقہ پڑتا، اور یہ دونوں باتیں ان کے قابو کی نہ تھیں۔ ان کے تحت الشعور میں جس شخص کا تتبع ابھرا تھا، اس کی تخلیق بھی ساقی نامہ کہلاتی ہے۔ غالب بھی 'ابر گہر بار' کا ساقی نامہ لکھ چکے تھے۔ اس لئے زیر لب یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔

غالب، به شعر کم ز ظهوری نیم ولی
عادل شه سخن رس و دریا نوال کو؟

بزمیہ گہما گہمی، کیفیت سرور، شور ناؤ نوش، بذلہ سنجی و لطیفہ آفرینی، بیان درد دل، انتظار سرو قد و ساقی مہوش، یا بقول نظیری:

سخن گزشته گفتن گلۂ دراز کردن

---

(۱) رسالہ ''تخلیق'' کراچی - اکتوبر ۱۹۵۶ع

یہ باتیں بڑی موزوں ترکیب و آہنگ سے مثنوی میں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غزل کی چاشنی اور مثنوی کی وسعت میں حد سے زیادہ دلکشی اور نام و مضمون میں انتہائی مطابقت پیدا ہوگئی ہے۔

زیر نظر ایڈیشن

مثنوی "ابر گہربار" کا یہ ایڈیشن اس لیے بہت اہم ہے کہ اول تو مثنوی پر مرزا کی دوسری نظر ہوئی ہے اور نول کشوری ایڈیشن کی بعض اہم غلطیوں کی اصلاح خود غالب نے کی ہے دوسرے یہ کہ بعض قصائد و قطعات و رباعیات کی پہلی روایت اسی میں ملتی ہے۔ تیسری بات مرزا کی دو فارسی عبارتیں ہیں جن سے مرزا کے شعور تنقید اور ذوق سخن فہمی وفن شعر شناسی پر روشنی پڑتی ہے۔ خصوصاً شاعر نے خود اپنے بارے میں بڑی اعلیٰ درجے کی رائے دی ہے۔

ابر گہر بار کی پہلی طباعت

۱۸۴۵ع یا ۴۶ (۱) میں کلیات، یا دیوان فارسی کا پہلا چھاپ مکمل ہوا، اس میں ۴۷ تک کا اکثر کلام فارسی موجود ہے۔ لیکن بعض اہم چیزیں مثلاً "حبسیہ" اور "ابر گہربار" موجود نہیں۔ پندرہ سولہ سال کے بعد کلیات کا دوسرا ایڈیشن پریس گیا تو اس میں نئے کلام کے علاوہ پرانی چیزوں میں سے "مثنوی ابر گہر بار" تو چھپی لیکن "حبسیہ" پھر رہ گیا۔ ۱۸۶۳ع یا ۱۲۷۹ھ میں کلیات چھپ کر تیار ہوا تو کچھ اور کلام لکھا جا چکا تھا، دوستوں کی فرمائش اور مثنوی کی اہمیت کے پیش نظر حکیم فخر الدین 'ابر گہر بار' اور اس کے ساتھ دو نئے قصیدوں، تین قطعوں اور دس رباعیوں کے چھاپنے پر تیار ہوگئے۔ اور شاید بہ اضافہ 'سبد چین' پھر 'سبد باغ دو در' کی ترتیب کا باعث ہوا۔

یہ عمدہ اور خوبصورت ایڈیشن بڑے اہتمام سے چھپا، اس نسخے میں کل چالیس صفحے اصل اور ایک صفحہ (زائد) 'صحیح نامہ' کا ہے۔ سائز میں ساڑھے نو انچ لمبائی، چھ انچ چوڑائی کاغذ، عام، جو طول مدت سے خستہ و

---

(۱) دیکھئے سبد باغ دو در ص ۱۴۱۔

زرد ہوگیا ہے ، ایک صاف ، عمدہ و محفوظ نسخہ ایسا بھی ہے جو نیلے ، سبز ، گلابی ، بسنتی چار رنگ کے کاغذوں پر چھپا ہے۔ (۱)

پہلے صفحے پر موزوں و خوبصورت گلکاری اور دوسرے صفحے پر بہت اچھی پیشانی ، بیلدار جدول اور حاشیہ ہے اسی طرح تیسرے صفحے پر جوابی جدول ہے۔

پہلا صفحہ ، بسم اللہ سمیت نو سطر کا ہے ، دوسرا سترہ کا پھر متن میں سترہ شعر اور حاشیہ پر سترہ ، یوں ۳۴ سطری مسطر کے ۷۳ صفحے ہیں۔ (زیر نظر نسخے میں ہم نے صفحات کو قوسین میں نقل کیا ہے) ۔

دیباچہ صفحہ دو سے ۴ تک ، صفحہ ۴ کی سطر نو سے مثنوی شروع ہو کر صفحہ پینتیس کے حاشیہ کے نصف پر ختم ہوتی ہے۔ اسی جگہ سے قصیدہ شروع کردیا گیا ۔ صفحہ ۳۸ متن کی سطر گیارہ سے قطعات ، صفحہ انتالیس کی سطر ۷ سے رباعیاں ، صفحہ ۴۰ پر تقریظ اور چھ قطعات تاریخ ہیں ۔ ایک زائد ورق کے ایک رخ پر چالیس غلطیوں کی تصحیح ہے ۔

سر ورق کے نیچے کتائی کے قریب قیمت چار آنے ، ۱۲۸۰ھ سال طباعت اور ایک ہزار تعداد اشاعت تحریر ہے۔

مثنوی میں آٹھ عنوان اور دس سو چونسٹھ (۱۰۶۴) اشعار ہیں جس کی تفصیل یہ ہے ۔

۱- حمد	۱۱۴ شعر
۲ مناجات	۷۹
۳- حکایت	۱۴۵
۴- نعت	۵۷
۵- معراج	۲۴۶
۶- منقبت	۱۲۸

(۱) یہ نسخہ پہلے جناب احسان دانش صاحب کے یہاں دیکھا تھا اور اب حبیب محترم جناب خلیل الرحمٰن داؤدی صاحب کی بدولت میرے پاس ہے ۔ جس کے لیے میں دونوں حضرات کا شکر گذار ہوں ۔

۷- مغنی نامه ۱۴۰

۸- ساقی نامه ۱۵۵ (۱)

مثنوی کا متن ، کلیات طبع نول کشور کے مطابق ہے، کہیں کہیں اس کی اغلاط طبع کی تصحیح کی گئی ہے۔ البتہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ 'معراج' میں سے چونتیس شعر (یعنی پورا ایک صفحه) حذف کردئیے گئے ہیں، یعنی پانچویں، چھٹے اور ساتویں فلک کی سیر کا ذکر نہیں ہے۔ 'صحیح نامے' میں بھی کوئی تذکرہ نہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ناشر صرف پانچ کا پیاں یعنی چالیس صفحے چھاپنا چاہتے تھے، لیکن تقریظ اور قطعات تاریخ ایک نئے صفحے کے بغیر آ نہیں سکتے تھے ، لہٰذا بلا امتیاز و تامل مثنوی کا اہم ترین حصه حذف کر کے صفحه بچالیا، لطف یہ ہے کہ جس کفایت کے لئیے صفحه بچایا، اس سے اہم ضرورت کے لئے ایک ورق بڑھانا پڑا۔ ہم نے اس متن میں حذف شدہ اشعار کلیات سے لے لئے ہیں۔ حاشیه پر اکتالیس لفظوں کے معنے ہیں جنہیں حاشیہ میں غالب کے نام سے نقل کر دیا ہے۔

قصائد و قطعات و رباعیات ، سبد چین اور باغ دور میں بھی چھپے ہیں، ہم نے ان کا بھی مقابلہ کیا ہے اور تمام اختلافات نسخ حاشیه میں لکھے ہیں۔
لیکن مدیر نے نا معلوم مصلحت کی بنا پر یہ حصہ مع مثنوی دعا و صباح نہیں چھاپا۔

---

(۱) اصغر علی صاحب نے ساقی نامه کے اشعار کی تعداد ایک سو پچاس لکھی ہے اس لیے اُن کی میزان ۱۰۹۸ کے بجائے ۱۰۹۳ ہے۔



ابتدائیہ

تحسین سروری

مرزا غالب کی منظوم فارسی تصانیف میں سب سے پہلے اُن کا دیوان ۱۸۳۰ء میں ''میخانۂ آرزو'' کے نام سے مرتب ہو چکا تھا، لیکن ترتیب کے دس سال بعد ۱۸۴۵ء میں مطبع دار السلام، حوض قاضی، دہلی میں چھپ کر شائع ہوا۔ اس کی ترتیب و تصحیح کے فرائض نواب ضیاء الدین احمد خان نیر و رخشاں نے انجام دئیے تھے اور ساتھ ہی اپنے دو قطعات تاریخ بھی شامل دیوان کئے تھے۔ دیوان کے شروع میں دیباچہ اور آخر میں تقریظ بھی ہے۔ یہ دونوں تحریریں غالب کی نوشتہ ہیں اور انہیں بعد کے ایڈیشنوں میں بھی نقل کیا جاتا رہا۔ ان تحریروں کو پنج آہنگ میں بھی شامل کیا گیا۔ دیوان غالب کی اس اشاعت میں اشعار کی تعداد (۶۶۷۲) بتائی جاتی ہے۔

دیوان کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۶۳ء میں لکھنؤ کے مطبع اودھ اخبار میں چھپ کر شایع ہوا۔ اس کی صورت یوں ہوئی کہ غالب کا اردو، فارسی کلام نواب ضیاء الدین احمد خان اور ناظر حسین مرزا جمع کیا کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں جب ان کے گھر لٹے تو غالب کا کلام بھی تلف ہو گیا۔ ضیاء الدین احمد خان نے از سر نو کلام غالب کی فراہمی شروع کی۔ ۱۸۶۲ء میں منشی نول کشور نے غالب کی اجازت سے نواب ضیاء الدین احمد خان کا مرتبہ نسخہ اُن کے صاحبزادے نواب شہاب الدین احمد خان کے ہاں سے منگوالیا اور اس کے چھاپنے کی تیاری شروع کردی۔ اس طرح غالب کا یہ سارا کلام کتابت و طباعت کے مراحل طے کر کے ۱۸۶۳ء کے وسط میں ''کلیات غالب فارسی'' کے نام سے چھپا۔ اس کے بعد کلیات کے جتنے ایڈیشن نکلے وہ اسی سے منقول ہیں۔ اس مرتبہ کلیات غالب کے اشعار کی تعداد (۱۰۴۲۴) ہوگئی۔ گویا پہلی اشاعت کے مقابلے میں (۳۷۵۲) شعر زیادہ تھے۔

اس کے بعد وہ کلام جو دیوان فارسی میں شامل ہونے سے رہ گیا تھا اور کچھ وہ جو ۱۸۶۳ء کے بعد موزوں ہوا ، اُس کا ایک مجموعہ ترتیب دے کر غالب نے ''سبد چین'' کے نام سے ۱۸۶۷ء میں شایع کیا - چالیس صفحے کا یہ مختصر مجموعہ محمد مرزا خان کے مطبع محمدی ، کوچہ چیلاں ، دہلی میں طباعت پذیر ہوا - غالب ''سبد چین'' کے مختصر دیباچے میں اس مجموعے میں شامل کلام کے متعلق لکھتے ہیں :-

> '' ہر آئینہ آنچہ یاراں از دیریں مسودات داشتند و من از آں خبرنداشتم و اینک بمن رساندند ، در اوراق جدا گانہ ضبط کردہ شد و آں را سبد چین نام نہادہ آمد '' -

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مشہور '' دعائے صباح '' کے منظوم فارسی ترجمے کی اشاعت بھی غالب کی زندگی میں ہوئی تھی - یہ ایک نہایت مختصر سا رسالہ ہے جو مطبع نول کشور لکھنؤ میں (۲۶) صفحات پر چھپا - اوپر جلی خط میں اصل عربی عبارت ، اس کے نیچے فارسی نثر میں ترجمہ اور نثر کے نیچے غالب کا منظوم فارسی ترجمہ ہے - یہ کل (۱۲۲) شعر کی مثنوی ہے - غالب نے یہ ترجمہ اپنے بھانجے میرزا عباس بیگ کی فرمائش پر کیا تھا -

گویا کہنا چاہئے کہ غالب کی زندگی میں اُن کے منظوم فارسی کارناموں کے چار مجموعے زیور طبع سے آراستہ ہوئے - لیکن اس دوران میں یعنی کلیات فارسی کی طباعت کے بعد اور سبد چین کی طباعت سے قبل اُن کی مثنوی ابر گہربار ایک علاحدہ کتاب کی صورت میں بھی چھپی تھی - اس وقت مثنوی کا یہ ایڈیشن میرے پیش نظر ہے -

مرزا غالب کی فارسی منظومات میں ابر گہر بار ایک ایسی مثنوی ہے جو سب سے عمدہ سمجھی جاتی ہے اور ناتمام ہونے کے باوجود طویل بھی ہے - یہ مثنوی اُن کے کلیات میں موجود ہے ، لیکن یہ غالب کی زندگی میں کلیات سے علاحدہ ایک کتاب کی صورت میں بھی چھپی تھی ، اس لئے غالب کی مستقل تصانیف کی فہرست میں اس کو بھی شامل کرلینا چاہئے - چونکہ اس کی علاحدہ طباعت ایک ہی مرتبہ عمل میں آئی تھی ، اس لئے اس کے نسخے اس وقت کم یاب ہیں -

کلیات غالب میں کل گیارہ مثنویاں ہیں ، جن کے اشعار کی مجموعی تعداد

(۲۰۲۲) ہوتی ہے۔ ان میں دس مثنویاں تو نہایت مختصر ہیں اور ان کا موضوع مدح و توصیف اور تقریظ و تقریب کے علاوہ کچھ نہیں ۔ سب سے آخری مثنوی ''ابر گہر بار'' ہے اور جیسا کہ بیان کیا گیا یہ مثنوی ناتمام ہونے کے باوجود طویل بھی ہے۔ اس کے اشعار کی تعداد (۱۰۹۸) ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ بقیہ دس مثنویوں کے جملہ اشعار ، تعداد کے لحاظ سے اس ایک مثنوی کے برابر بھی نہیں ۔

ابر گہر بار میں غالب شاہنامہ' فردوسی اور سکندر نامہ' نظامی کے رنگ میں غزوات نبوی صلعم کو منظوم کرنا چاہتے تھے ، لیکن وہ مثنوی کے ابتدائی ابواب ہی سے آگے نہ بڑھ سکے ۔ حمد و مناجات ، حکایت ، نعت و منقبت ، بیان معراج ، مغنی نامہ اور آخر میں ساقی نامہ کے بعد مثنوی ادھوری رہ گئی ۔ غالب کی یہ مثنوی اگر ان کے ارادے کے مطابق مکمل ہوجاتی تو یقیناً اُن کا یہ بھی ایک زبردست ادبی کارنامہ ہوتا ۔ جس قدر وہ لکھ سکے ہیں اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اس موضوع پر پورے خلوص اور دل کی گہرائیوں سے قلم اٹھایا تھا ۔ لیکن زمانے نے اور خود اُن کے خانگی حالات نے انہیں اتنی مہلت نہ دی کہ اس ناتمام مثنوی کو مکمل کرتے ۔ میں اس موقع پر یہ بھی عرض کروں گا کہ غالب نے یہ کام نہ جانے کس ترنگ میں شروع کیا تھا ، ورنہ وہ جس طبیعت کے شاعر تھے اور اُن کے مزاج میں جو لاابالی پن تھا اس کے لحاظ سے مثنوی جیسی صنف سخن کے تقاضوں اور تکلفات کا بار اٹھانے کے وہ ہرگز قابل نہ تھے ۔ اور پھر یہ بھی کہ وہ مسلسل چند عوارض اور انتشار ذہنی کے بھی شکار رہے ہیں۔ اتنی بڑی مثنوی کو پایہ' تکمیل تک پہنچانے کے لئیے جانکاہی ، یکسوئی اور وقت کی ضرورت تھی ۔ غالب کے پاس یہ تینوں چیزیں مفقود تھیں ۔ یہی وجہ ہے کہ حمد و نعت اور منقبت و مناجات میں وہ عام قاعدے سے ہٹے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ اور اکثر جگہ عجز و انکسار کے بجائے شاعرانہ تعلی ظاہر ہوتی ہے۔ ساتھ ہی جذبات و خیالات کی بلندی ، قدرت بیان اور مضامین نو کے انبار بھی اس مثنوی میں موجود ہیں ۔

مناجات کے ذیل میں زمانے کی شکایت اور اپنی ناقدری کا شکوہ خدا کے حضور یوں پیش کرتے ہیں :-

ہر آئینہ مارا کہ تر دامنیم ز دیوانگی با خرد دشمنیم
زآلودگی ہا گرانی بود ہمہ سختی و سخت جانی بود

ز هر شیوۂ ناسازگاری رسد | ز هر گوشه صد گونه خواری رسد
که چون سوئے ما ساقی آرد بسیچ | نیابیم جز گردش از جام هیچ

حکایت میں بھی شکوہ و شکایت کا عنصر غالب ہے۔ البته پیرایۂ بیان اور طرز نگارش نے داستان گوئی میں ایک نئی قسم کی رنگ آمیزی کردی ہے۔ اس کے بعد نعت کا حصہ آتا ہے۔

محمد کز آئینۂ روئے دوست | جزبینش ندانست دانا که اوست
زہے روشن آئینۂ ایزدے | که دروے نگنجیدہ رنگ خودے
ز راز نہاں پردۂ بر زدہ | ز ذات خدا معجزے سر زدہ
تمنائے دیرینۂ روزگار | بوی ریزد از خویش امیدوار
تن از نور پا بودہ سر چشمۂ | ولے همچو مهتاب در چشمۂ
بهر جام ازو تشنۂ جرعه خواه | بهر گام ازو معجزے سر براه
کلامش بدل در فرود آمدن | ز دم جسته پیشی بزود آمدن
بدستش کشاد قلم نارسا | به کلکش سواد رقم نارسا
به رفتار صحرا گلستاں کنی | به گفتار کافر مسلماں کنی
بدنیا زدیں روشنائ دهی | به عقبیٰ ز آتش رهائ دهی

ذکر رسول اکرم صلعم کے ذیل میں معراج کا بیان ہے (رسول الله صلعم کا عرش پر عروج اور سات آسمانوں کی سیر) یہاں غالب نے آنحضرت صلعم کے بستر کی گرمی اور واپسی پر حضرت علی کرم الله وجهه سے ملاقات کا ذکر بھی کیا ہے، اس کے بعد انهوں نے اپنے قلم مدحت رقم کو حضرت علی کی تعریف و توصیف کے لئے جنبش دی ہے۔

علی راست بعد از نبی جائے او | همان حکم کل دارد اجزائے او
همانا پس از خاتم المرسلیں | بود تا به مهدی، علی جانشیں
نژاد علی با محمد یکیست! | محمد همان تا محمد یکیست
ازیں نغمه کاینک رہ هوش زد | بدل ذوق مدح علی جوش زد
ز کویش به گلشن سخن می کنم | ستم بر گل و نسترن می کنم
ز لطفش بگفتار خواں می نهم! | سخن را شکر در دهاں می نهم
ز لطفش به هستی خبر می دهم | بریگ رواں دجله سر می دهم
علی آں ز دوش نبی رفرفش | علی آں ید الله را کف کفش

منقبت کے آخری حصے میں غالب نے اپنے متعلق یوں لکھا ہے۔

چه کاهد ز نیروے گرداں سپهر — چه کم گردد از خوبیٔ ماه و مهر
که دل خستهٔ دهلوی مسکنے — ز خاک نجف باشدش مدفنے
خدایا بدیں آرزویم رساں — ز اشک من آہی بجویم رساں
نفس در کشم جائے گفتار نیست — تو دانی و ایں از تو دشوار نیست

اس کے بعد ہی مغنی نامه شروع ہوتا ہے، جس میں غالب مغنی کو اس انداز سے آواز دیتے ہیں۔

مغنی دگر زخمه بر تار زن — گل از نغمهٔ تر بد ستار زن

مغنی نامه کے وہ اشعار کافی اثر انگیز ہیں جن میں مغنی سے غالب یه کہتے ہیں که میری روح میں جو جوہر شعر چھپا ہوا ہے تو اسے اپنے نغمهٔ دل فروز و لحن جان پرور سے چمکادے۔ اس کے بعد ساقی نامه ہے، جس پر مثنوی ابر گہر بار ختم ہو جاتی ہے۔ اس میں بھی زمانے کی شکایت اور ناقدریٔ فن کا تذکرہ موجود ہے۔ ساقی نامه اس شعر پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔

ترا بخت درکار یاری دهاد — به پیوند دیں استواری دهاد

''مثنوی ابر گہر بار'' کی وہ اشاعت جو علاحدہ کتابی صورت میں نکلی تھی، اس کی تفصیل یه ہے۔

اصل کتاب کے تو (۴۰) صفحات ہیں، لیکن آخر میں ''صحیحنامے'' کا بھی چونکه ایک صفحه لگایا گیا ہے، اس لئے یه کہنا چاہئے که اس کے (۲۱) ورق یعنی (۴۲) صفحے ہیں۔

سر ورق پر نہایت خوبصورت خط میں ''مثنوی ابر گہر بار'' لکھا ہوا ہے۔ کتاب کے نام کے اوپر ایک سطر میں مصنف کا نام یوں لکھا گیا ہے۔

از تصانیف افصح الفصحا، نجم الدوله دبیر الملک
نواب اسد الله خان بہادر نظام جنگ المتخلص به غالب

اور کتاب کے نام کے نیچے یه عبارت ہے۔

''بکمال تصحیح که هر صفحه به نظر مصنف گزشته به سعی میر فخرالدین''
پھر سب سے نیچے جلی حروف میں مطبع کا نام ہے۔

" در مطبع اکمل المطابع واقع اندرون شہر دہلی طبع شد "

ورق الٹتے ہی صفحہ ۲ کے شروع میں مصنف کا دیباچہ ہے جو صفحہ (۴) کے نصف کے قریب جا کر ختم ہوتا ہے۔ اسی صفحہ (۴) سے مثنوی کا آغاز ہے جو صفحہ (۳۵) پر ختم ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد چھوٹے چھوٹے دو قصائد، لارڈ الگن اور جان لارنس کی شان میں ہیں اور دو قطعات گورنر اور منٹ گمری کی مدح میں ہیں۔ پھر چار بیت کا ایک قطعہ ہے جو اجمیر میں میر سعادت علی کی مسجد و چاہ کی تعمیر سے متعلق ہے۔ آخر میں دس رباعیات ہیں۔ مرزا غالب کی یہ وہ منظومات ہیں جو ان کے کلیات فارسی میں درج ہونے سے رہ گئی تھیں یا کلیات کے چھپنے کے بعد لکھی گئیں۔ لیکن سبد چین میں انہیں شامل کرلیا گیا تھا۔

آخر میں صفحہ (۴۰) پر (۱۳) سطروں پر مشتمل غالب کی تقریظ ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ فارسی کلیات کی طباعت کے بعد حکیم غلام رضا خان نے مثنوی ابر گہر بار کو علاحدہ چھاپنے کا انتظام کیا۔ تقریظ کے بعد نواب شہاب الدین احمد خان ثاقب، مرزا قربان علی بیگ سالک، مرزا شمشاد علی بیگ رضوان اور مرزا یوسف علی خان عزیز کے قطعات تاریخ فارسی میں، اور دو شعر کا ایک قطعہ مرزا باقرعلی خان کامل کا اردو میں ہے۔ ان قطعات کا مادۂ تاریخ ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۴ء) ہے۔ صفحہ (۴۱) پر دو کالم کا غلط نامہ ہے، جس کی پیشانی پر " صحیحنامہ مثنوی ابر گہر بار " لکھا ہے۔ صحیحنامہ کے دوسرے کالم کے نیچے چھوٹی سی جدول ہے جس میں کسی قدر جلی خط میں یہ عبارت ہے۔

اشتہار

" اس کتاب کو بے اجازت حضرت مصنف
مدظلہ اللہ تعالے کے کوئی صاحب قصدانطباع
نہ نفرماویں فقط "

آخر کا صفحہ (۴۲) سادہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ ہر صفحے کے متن کا مسطر (۱۷) سطری ہے۔ لیکن چونکہ حاشیہ کو بھی کام میں لایا گیا ہے، اس لئے ہر صفحہ پر (۳۴) سطریں ہیں، گویا حاشیہ

بھی (۱۷) سطر کا ہے۔ آخری صفحہ پر جگہ بالکل نہ رہی تو باقر علی خان کامل کے قطعہ تاریخ کے چاروں مصرعے حاشیے کی جدول کے باہر ایک ہی سطر میں لکھے گئے ہیں۔ آخری مصرعے کے بعد "تمام شد فقط" بھی ہے۔

مرزا غالب کی جتنی تصانیف ان کی زندگی میں طبع ہوئیں اور وہ تصانیف جن چھاپہ خانوں اور کس کے زیر اہتمام طبع ہوئیں، اس کی تفصیل خود غالب کے خطوط سے معلوم ہوجاتی ہے۔ لیکن مثنوی ابر گہر بار کی اس اشاعت اور دوستوں اور قدردانوں کو تحفتاً یا قیمتاً بھیجنے کے سلسلے میں وہ اپنے خطوط میں بالکل خاموش ہیں۔ صرف ایک جگہ مثنوی کے اس نسخے کے متعلق میں نے غالب کی تحریر دیکھی۔ نواب علاؤالدین احمد خان نے [illegible] کا ایک نسخہ طلب کیا تو اس کے جواب میں غالب اپنے ۲۳ ذی الحجہ [illegible] کے خط میں تحریر کرتے ہیں۔

"اے میری جان! مثنوی ابر گہر بار کوئی [illegible] تھی کہ میں تجھکو بھیجتا۔ کلیات میں موجود ہے۔ مع ہذا شہاب الدین خان نے بھیجدی، میں کیا بھیجتا!"

اس کے علاوہ "احوال غالب" میں ایک حوالہ میری نظر سے گزرا ہے کہ ۱۲۷۰ھ میں جب صفیر بلگرامی نے مارہرہ سے عریضہ شاگردی کے ساتھ دو فارسی غزلیں غالب کی خدمت میں ارسال کیں تو آٹھ دن کے بعد غالب نے جواب خط کے ساتھ "ابرگہربار" کی ایک جلد بھیجی تھی۔ میرے خیال میں خطوط غالب میں مثنوی کے اس نسخے کا کہیں اور ذکر نہیں ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ غالب نے اس کی علاحدہ طباعت کو چنداں اہمیت نہ دی، اور چونکہ یہ مثنوی کلیات میں شامل تھی ہی اس لئے اس کا ایک مستقل کتاب کی صورت میں طبع ہونا ان کے نزدیک غالباً بے معنی سی بات تھی۔

مطبع اکمل المطابع اور اس کو چلانے والے چاروں باہمت اشخاص سے غالب کو بڑا تعلق خاطر تھا۔ چنانچہ منشی بہاری لال مشتاق کو وہ ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"بہاری لال! اس نونہال باغ دولت یعنی غلام رضا خاں کے دوام صحبت کو اپنے طالع کی یاوری سمجھو۔ یہ

دانش مند ستودہ خوے امیر نامور ہونے والا ہے ۔ اور
مراتب اعلیٰ کو پہنچنے والا ہے ۔ اس کی ترقی کے ضمن
میں تمھاری بھی ترقی ہونے والی ہے …… میاں ! سچ
تو یوں ہے کہ اکمل المطابع اجمل المطابع بھی ہے ۔ حکیم
غلام نبی خاں منجملہ خوبان روزگار ہیں ۔ نکو خوئے نیکو کردار
ہیں ۔ میر فخر الدین آزاد منش اور سعادت مند نوجوان
ہیں ۔ کم گفتار اور مرنج و مرنجان ہیں ۔ تم چاروں
شخص پیکر صدق و صفا و مہر و ولا کے چار عنصر ہو ۔
جہاں آفریں تم چاروں صاحبوں کو خوشنود و دل شاد
اور اکمل المطابع کو با رونق اور آبا رکھے ۔

(اردوئے معلے ص ۳۸۲)

ان مراسم کے پیش نظر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مرزا غالب اپنے مشفقانہ جذبات سے مغلوب ہوکر غلام رضا خاں کی گزارش کو رد نہ کر سکے اور انہیں مثنوی چھاپنے کی اجازت دے دی اور اُس کی تصحیح کی زحمت بھی گوارا کی ۔

مثنوی ابر گہر بار کے اس نسخے پر غالب نے جو دیباچہ لکھا ہے ، اس میں کوئی غیر معمولی بات ہو نہ ہو ، یہ لیکن غالب جیسے نامور اور یگانۂ روزگار شاعر کی تحریر ہے اس لئے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ مثنوی ابر گہر بار کے اس ایڈیشن کی وجہ سے غالب کی ایک اور تحریر معرض وجود میں آگئی ۔ کتاب کے آخر میں جو تاریخی قطعات ہیں ، اُن کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ مثنوی کا یہ نسخہ غالب کے دوستوں اور ہم نشینوں کی آرا یا اُن سے عقیدت مندی کے جذبات کے اظہار کا ذریعہ ثابت ہوا ۔

ابر گہر بار کے اس نسخے کا سر ورق اُس وقت کے مذاق کے مطابق نقش و نگار سے مزین ہے ۔ اور اس کی خوبصورت اور جاذب نظر تزئین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کسی معمولی مصور کی کاوش نہیں ہے ، بلکہ اس زمانے کے کسی نامی فنکار نے اس سر ورق کو سنوارا ہے ۔ اس کے بیل بوٹے فنکار کی مہارت فن کا ثبوت دیتے ہیں ۔ اسی طرح کتاب کے اندر لوح کے بنانے میں بھی مصور نے بڑا کمال دکھایا ہے لیکن افسوس کہ مصور کا نام ہم معلوم نہیں کر سکتے ۔

مختار الدین آرزو ''احوال غالب'' مین لکھتے ھیں ''دھلی کے دو ھی مصور ایسے تھے جن سے غالب اپنی کتابوں کے سر ورق کی تزئین کا کام لیتے تھے ، ایک محمد افضل دوسرا محمد خدا بخش'' - لیکن ابر گہر بار کے مصور کا پتا لگانا مشکل ھے - ممکن ھے انہیں دو میں سے کوئی ایک ھو - میرے ذاتی نسخے کے سر ورق اور اس کے بعد کے صفحے کے عکس اس مضمون کے ساتھ شائع کئے جا رھے ھیں ، اگرچہ یہ عکس دھندلے ھیں لیکن اُن سے ان صفحات کی خصوصیات کا بخوبی اندازہ ھو سکتا ھے - .

ابر گہر بار کے اس نسخے کے حاشیے پر غالب نے بعض لفظوں اور اصطلاحوں کے معنی بھی لکھے ھیں - مہر نیمروز اور دستنبو کی طرح اس میں بھی بعض لفظوں کے معنی اردو میں ھیں - چونکہ یہ فرہنگ کلیات میں مثنوی کے ساتھ نقل نہیں ھوئی ، اس لحاظ سے یہ قابل قدر چیز ھے -

ان خوبیوں کے باوجود ''ابر گہر بار'' کے اس نسخے میں چند نقائص بھی ھیں - ایک تو یہ کہ ''بسم اللہ'' ھی غلط ھوگئی - یعنی پہلے صفحہ پر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' میں ''اللہ'' کا لفظ کتابت نہیں ھوا - یہ ایسی فروگذاشت ھے کہ اتنے اچھے ایڈیشن کا سارا حسن غارت ھوگیا - دوسرا نقص یہ ھے کہ ''بیان معراج'' کے (٢٨٠) اشعار میں سے (٣٤) شعر حذف کر کے صرف (٢٤٦) شعر درج کئے گئے ھیں - (١)

میرے خیال میں ان نقائص کے باعث بھی یہ نسخہ غالب کے پسند خاطر نہ ھوا ھوگا اور اُن کی نفاست پسند طبیعت نے بڑا پیچ و تاب کھایا ھوگا - دو چار اشخاص کو اگر اسُ کے نسخے بھیجے بھی ھوں گے تو یقین ھے کہ ان میں ''اللہ'' کا لفظ خود اپنے قلم سے لکھا ھوگا - اور آگاہ کردیا ھوگا کہ اس میں (٣٤)

---

(١) جو (٣٤) شعر حذف ھیں ان کا پہلا شعر یہ ھے :

اگر خود ھماں یک کلہ وار برد
نہ آخر گہر ھائے شہوار برد

اور آخر کا شعر یہ ھے :

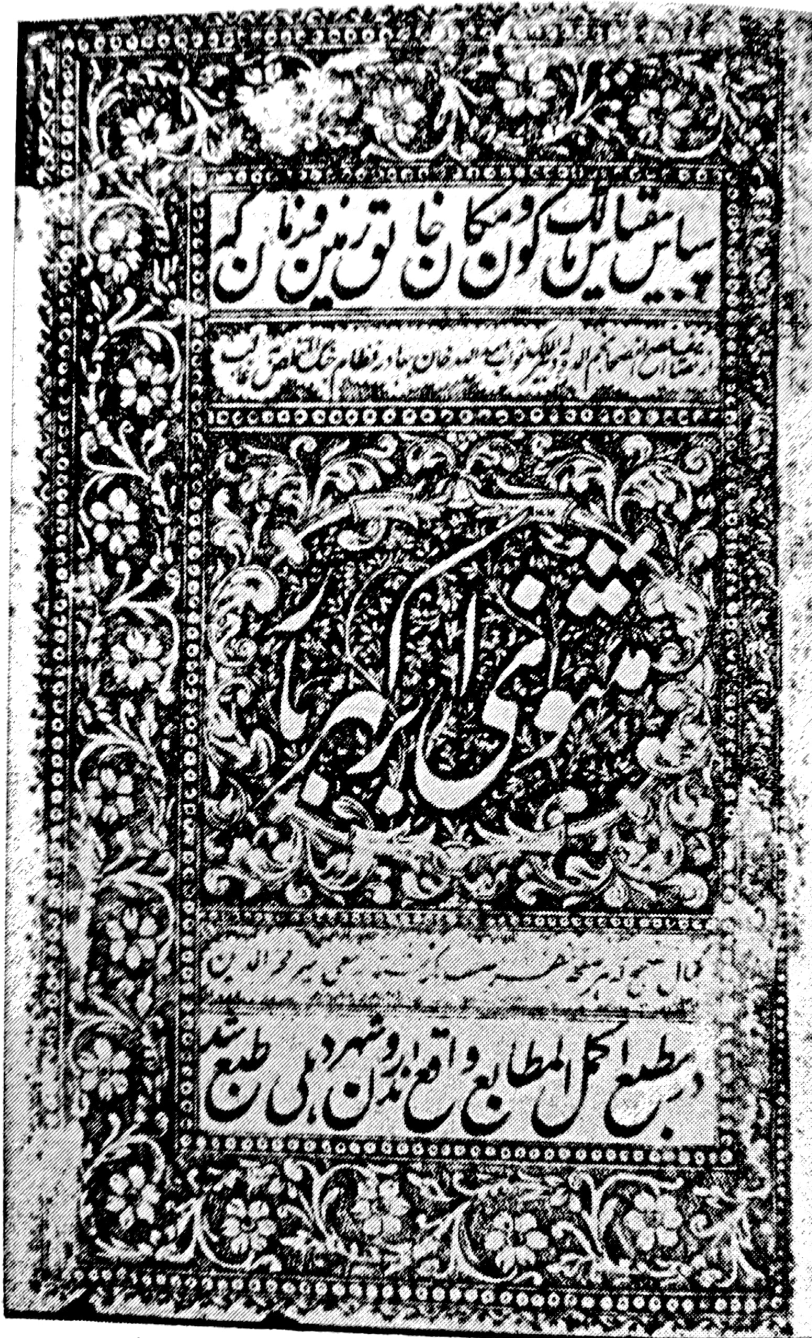
چو زینگونہ زیں ھفت در بند ژرف
پدید آمدش فتحیابی شگرف

شعر درج ہونے سے رہ گئے ہیں۔ اور ساتھ ہی کاتب کی جہالت اور اپنے ''کمال تصحیح'' کو مطعون کیا ہوگا۔

لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان فروگزاشتوں یا غلطیوں کے باعث ابر گہر بار کے اس نسخے کی اہمیت کچھ کم ہوگئی ہے۔ چونکہ بوقت طباعت اس کا ہر صفحہ مصنف کی نظر سے گزر چکا تھا، اس لئے اس کی ایک تاریخی حیثیت بھی ہے۔ نیز تحقیقی نقطۂ نظر سے بھی یہ بڑا قابل قدر نسخہ ہے۔ کلیات غالب کی متد اول اشاعتوں میں جو غلطیاں چلی آ رہی ہیں اُن کی تصحیح مثنوی ابر گہر بار کی حد تک اس نسخے سے ممکن ہو جاتی ہے۔

مآخذ

۱۔ مثنوی ابر گہر بار — غالب — اکمل المطابع ۱۲۸۰ھ
۲۔ سبد چین — '' '' — مطبع محمدی دھلی ۱۸۶۷ء
۳۔ کلیات نثر غالب — '' '' — مطبع منشی نولکشور ۱۸۷۱ء
۴۔ کلیات غالب فارسی — '' '' — '' '' ۱۸۷۲ء
۵۔ اردوئے معلیٰ — '' '' — شیخ مبارک علی، لاھور ۱۹۲۲ء
۶۔ ذکر غالب (باز سوم) — مالک رام — مکتبہ جامعہ، دھلی ۱۹۵۵ء
۷۔ غالب — مولانا غلام رسول مہر — شیخ مبارک علی لاھور طبع چہارم
۸۔ حیات غالب — شیخ محمد اکرام — فیروز سنز لاھور
۹۔ سبد چین۔ مرتبہ — مالک رام — مکتبہ جامعہ دھلی ۱۹۳۸ء



''ابر گہربار'' کا پہلا صفحہ



''ابر گہر بار'' کا دوسرا صفحہ (دیباچہ)

مثنوی ابر گہر بار

بسم (الله) الرحمٰن الرحیم

[ص۲]* بنا میزد سخن در سپاسگزاری مبداء فیاض است و بخشایشهای بیرنگ و بخشش‌های شگرف شمرده میشود گمان خود ستائی را در بارهٔ من روائی مباد ـ نثری بخشیده اند ، دیده وران را از دیده به دل فرود آی ، و نظمی داده اند ، سخن گستران را دل از سینه بیرون بر ـ

چون خواستند که قوت ناطقه بدین استخوانی پیکر که به اسدالله غالب نامور است ، پیوند پزیرد ، به ریزش نمک طرز عرفی شیرازی و آمیزش شکر ادای نظیری نیشاپوری شور انگیزی و گلو سوزی حسن برشتهٔ آن شاهد غیبی افزودند ـ غزل و قصیده و قطعه و رباعی را در فرجام کشی(۱) و دلکشی لفظ و معنی کار ازان گزشت که دیگری را در اندیشه گزرد ، بسیج (۲) بنشستن افتاد ـ فردوسی طوسی به رهنمای [ص ۳] و نظامی گنجوی را به نیرو فزای گماشتند ـ

در ضمیر زود اثر پذیر من چنان فرود آمد که غزوات خداوند دنیا و دین ، حضرت امام المرسلین سلام علیه من رب العالمین به بند نگارش اندر آرم ـ

توحید و مناجات و منقبت و ساقی نامه و مغنی نامه پیدائی پزیرفت ، باچمانی (۳) و خنیاگر ، (۴) بسا سخنهای دلاویز و مهر انگیز گفته آمد ـ ویژه (۵) در مناجات به شیوهٔ ابداع بدان سان رندانه و قلندرانه سخن سروده شد که سروشان بهشتی را لب از شور ''هایاهوی'' تبخاله زد ـ و در بارهٔ

---

* خطوط وحدانی میں مثنوی کے مطبوعہ متن (اکمل المطابع) کے صفحات دیئے گئے ھیں ـ مُاضل

(۱) کشی: بمعنی خوشی ـ ۱۲ (غالب)

(۲) بسیج : بمعنی قصد ـ ۱۲ (غالب)

(۳) چمانی : بمعنی ساقی ـ ۱۲ (غالب)

(۴) خنیاگر : بمعنی مطرب ـ ۱۲ (غالب)

(۵) ویژه ; بمعنی خصوصاً ـ ۱۲ (غالب)

معراج عروج فکر آن پایه یافت، که سخن از جائیکه می رفت هم بدانجا رسید۔ گفتار ناشناسائی که به ترهات فارسی گویان هند خو گرفته اند، و آنرا به بهای گران همی فروشند و همی خرند، حسن خداداد نطق مرا چون بینند؟۔ داد آنست که دربن گروه فروغ جوهر بینش همگنان به یک اندازه نیست، تا همه هیچ مبین باشند، بلکه من خود در نورد کلاوه (۱) کردن نکته های بار یک تر از موی نچندان گم گشته ام، که کس را در نظر توانم آمد۔

مثنوی را ابر گهر بار نام نهاده بودم، هما نا آن آمیغی (۲) میغ (۳) همان قطره فشانی کرد و دجله ریز نه شد۔ نیافتن توفیق داستان طرازی سببی دارد عام که در قلمرو هند از شهری و روستائی و دانا و نادان، و پیر و جوان، کم کسی باشد که آنرا نداند، حقا، که این نیرنگ آسمانی که در صورت سرکشی سپاه بظهور پیوست در تنها روان و در روانها توان(۴)، تونگران را زر در خزانه، و سخنوران را سخن در زبان نگزاشت۔

نامه نگار پیر هفتاد ساله و رنجور غمزده و دلفگار، از زیستن بیزار، و بمرگ ناگاه امیدوار۔ هان وهان، مرگ ناگاه یعنی چه، مرحله دشوار گزار [ص ۴] بین الستین و السبعین به پایان رسید۔ گوئی شب عمر سر آمد و سفیدهٔ صبح کفن در دمیدنست۔

وقت آنست که از خواب گران برخیزم
پای در ره نهم و از سر جان برخیزم

یزدان داند که در زندگی از احباب داد سخن باندازه بایست نیافته ام هر آئینه بعد مردن دعای آمرزش چگونه چشم داشته باشم؟ بدین قدر خوشنودم که هیچ گاه یادم نیارند۔ (۹) ومن خود بدان نیرزم که غم مرگ من خورند و مرا

---

(۱) کلاوه کردن: بمعنی جمع کردن۔ ۱۲ (غالب)
(۲) آمیغی: بمعنی حقیقی۔ ۱۲ (غالب)
(۳) میغ: بمعنی ابر۔ ۱۲ (غالب)
(۴) متن "روانهاروان" صحیح نامه "روانهاتوان"۔ (مرتب)
(۵) متن "زمن" صحیح نامه "و من"۔ فاضل

یاد آورند - عبارت را بدین دو بیتی انجام می دهم ، و خامه از دست و پندار سخنوری از سر می نهم :

گویند جهانیان دو رویند مگوی   گو بد منکوه (۱) ور نگویند(۲) مگوی
هر چند که بد زیستم و بد مردم   نیکان پس مرده ، بد نگویند مگوی

بسم الله الرحمٰن الرحیم

سپاسی ، کز و نامه نامی شود   سخن ، در گزارش گرامی شود
سپاسی ، که آغاز گفتار ، زوست   سخن ، چون خط از رخ نمودار زوست
سپاسی ، که طالب ازو کام یافت   روا نها بدان رامش آرام یافت
سپاسی ، که فرزانهٔ دم شناس   بدان خویش را دارد ، از دیو پاس
سپاسی ، که فرخ سروشان راز   بران زمزم آباد گویند باز
سپاسی ، که شوریدگان الست   دهندش ببانگ قام دل ز دست
سپاسی ، به پوزش در آمیخته   ز دل جسته و با دل آویخته
سپاسی ، ز بسیاریٔ جوش دل   ز اندیشه پیوند ، غفلت گسل
سپاس ، دوئی سوز کثرت ربایٔ   سپاس دل افروز ، بینش فزایٔ
خدا را سزد ، کز درون پروری   بدین شیوه بخشد شناساوری
خدائی ، که زان گونه روزی دهد   که هم روزی و هم دو روزی دهد (۳)
بنا میکه ، گم گشته بردن درو   ز پری نه گنجد ، شمردن درو
کسی را که باشد بر انگشتری   زند گرد او حلقه دیو و پری
متاع اثر بسکه ارزان دهد   مسیحا بدان مرده را جان دهد
رضا داد کاید به بردن همی   دهد تنٔ به بند شمردن همی
نه باشد اگر بخشش عام او   کرا زهرهٔ بردن نام او
بفرخندگی هر که نامش گرفت   همأ از هوا راه دامش گرفت
بود نام پاکشٔ ز بس دل نشین   ترا شنده پاکانش از دل نگین
به دل هر که سوزنده داغش نهاد   پری رخ به پیش چراغش نهاد

---

(۱) منکوه : بمعنی بد مگو- ۱۲ (غالب)

(۲) متن ''نگویند'' صحیحنامه ''نکویند'' (مرتب)

(۳) دو روزی: بمعنی تندرستی - ۱۲ (غالب)

بود سوز داغش ز بس دل پسند — سویدا سزد بر جمالش سپند
رضا جوی هر دل که درویش هست — هوا خواه هر رخ که گردیش هست
نه رنجد ز انبوه خواهندگان — نیاید ستوه از پناهندگان
خرد جنس هستی فروشندگان — دهد مزد بیهوده کوشندگان
رباید دل، اما ز دلدادگان — کشد ناز، لیکن ز افتادگان
ز بادی، که بر دل وزد در نهفت — زبان را به پیدا درآرد به گفت
[۵] نگه را که بیرون نباشد ز چشم — دهد بال پیدائی مهر و خشم
دل دوست باهم دگر، دوخته — درین کیسه کردار اندوخته
روان و خرد باهم آمیخته — ازین پرده گفتار انگیخته
نه زین سو گهرها شمردن توان — نه راه اندرین پرده بردن توان
نگاهی، به گردنده کاخ بلند — کش اندازه چونست و آثار چند
ز رخشانیٔ گونهٔ لاژورد — دمد، گونه گون رنگش از هر نورد
به هر یک نمودش دوصد رنگ در — به هر یک نوردش صد آهنگ در
اگر جلوه روشن، ور آواز خوش — خم رنگ خوش، پردهٔ ساز خوش
بیندیش، کاین چرخ و پروین کراست؟ — چنین پردهٔ ساز رنگین کراست؟
نگاهی به بازی که روزگار — ز بازی گرانش یکی نو بهار
که چون سیمیا در نمود آورد — اثرها ز بالا فرود آورد
کشاید (۱) هوا، پرنیان بنفش — شود شاخ گل، کاویانی درفش
شود باغ، صحرایٔ محشر، ز سرو — پرد نامه هرسو، ز بال تدرو
به حالیکه عریان بود پیکرش — دمد چشم نرگس ز فرق سرش
چمن، خلد و کوثر شود آبگیر — خیابان، ز جوش سمن جوی شیر
بیندیش، کاین روزگار از کجا است؟ — نمود طلسم بهار از کجاست؟
به نیروی نه چرخ برهم زدن — نشاید ز دانست او دم زدن
گروهی، به بند گهر یافتن — فرو بسته دل در زمین کافتن
یکی را، دم تیشه بر کان نخورد — یکی را ره به نایاب گوهر نه برد
به دانش ترا دیده‌ور کرده اند — چراغی درین بزم بر کرده اند
خرد، کز جهانیست پیشش خبر — نه باشد، ز عنوان خویشش خبر
نه بیند، جزین هیچ بینندهٔ — که مارا بود، آفرینندهٔ

(۱) متن میں ''لشاید'' غلط نامے میں تصحیح کی گئی ہے۔ ماخذ

که اندازهٔ (۱) آفرینش، بدوست دم دانش و داد بینش بدوست
جهان داور دانش آموزگار به خور، روشنائی ده روزگار
کشایندهٔ گوهر آگین پرند ز پرویں، به پہنای آن نقشبند
نگارندهٔ پیکر آب و گل شمارندهٔ گوهر جان و دل
به گردش در آرندهٔ نه سپهر به گردون بر آرندهٔ ماه و مہر
روان را به دانست سر مایه ناز زبان را به گفتار، پیرایه ساز
به شاهی نشانندهٔ خسروان ز رهزن، رهانندهٔ رهروان
به دانش، بهه اندیش فرزانگان به مستی، نگهدار دیوانگان
شناساگر راز دانان به راست توانا کن ناتوانان بخواست
جگر را، به خونا به آشام ده نفس را به بیتابی آرام ده
بهر دم ز آواز پیوند بخش بهر پیکر، از دل جگر بند بخش
هم از سر خوشی، شور در می فگن هم از ناله، جان در تن نی فگن
[٦] روان را بدانش گهر زایٔ دار جهان را بدستور برهایٔ دار
شناسندگان را بخود رهنمای هراسندگان را، غم از دل ربای
نفسها، بسودایٔ او ناله خیز جگرها، به صحرای او ریز ریز
رگ ابر را اشکباری ازوست دم برق را بیقراری ازوست
زبانهای خاموش، گویای او نهانهای اندیشه، پیدای او
بگویائی، ازوی زبان فصیح خورد زله "زاچ سور" (۲) مسیح
بجنبش ازو، نال کلک دبیر نماید بمردم مرگ جان تیر (۳)
خرد را، که جوید شناسائیش نگه خیره، در برق پیدائیش
دوئی بی کفن مردهٔ در رهش خودی دادگر، شحنهٔ در گهش
گر از جان سپاران نازش کسیست ور از پرده داران رازش کسیست
مرآن را پلا رگ (۴) رگ گردنے مرایں را روان مجرد تنے
ز گرمی که باشد، به هنگامه اش ز تیزی که دارد قط خامه اش

---

(۱) متن میں "اندارہ" ہے، غلط نامے میں تصحیح کی گئی ہے۔ فاضل
(۲) زاچ سور: چھٹی کی شادی - ۱۲ (ابر گهر بار)
(۳) تیر: اسم عطارد - ۱۲ (ابر گهر بار)
(۴) پلارگ: بمعنی شمشیر - ۱۲ (غالب)

زبان های افسردگان آتشین — منشهای سنگین دلان نازنین
زهی هستیٔ محض و عین وجود — که ناز و بیکتائیش هست و بود
ز شاخابه (۱) کز قلزمے سر دهد — بهر تشنه آشام دیگر دهد
بیک باده بخشد ز پیمانهٔ — بهر ذره رقص جداگانهٔ
جهانی ز طوفان بغرقاب در — هنوزش همان چین بگرداب در
گروهی ز مستی بغوغا درون — هنوزش همان می به مینا درون
اسیرش ز بندی که بر پای اوست — سگالد که بر تخت چین جای اوست
شهیدش بخویش از طرب بهره مند — بجز چشم زخمش نباشد گزند
زبانگی که خیزد ز خون در دلش — بدان تار ماند رگ بسملش
که چون خواهدش رغبت انگیز تر — مغنی کند زخمه را تیز تر
شبستانیانش ز مے غازه جوی — بیابانیانش ز خور تازه روی
گران مائگان غرق کوثر ازو — حنساں خستهٔ موج ساغر ازو
مناجاتیان پیش وی در نماز — خراباتیان را بدو چشم باز
اگر کافرانند زنهاریش (۲) — وگر مومنان در پرستاریش
"هو الحق" سرایان او غیب جوی — "انا الحق" نوایان او تلخ گوی
رهش راز جانها، غباری بلند — غمش را ز خال عروساں سپند
نه تنها خوشے ناز پرورد اوست — که غم، نیز دل را ره آورد (۳) اوست
اگر شادکامے شکر مے خورد — وگر نامرادی جگر می خورد
نه آنرا نشاطے به پیوند اوست — که این هم بهشتی نشان مند اوست
ز آئین نگاران بهنگامه در — رقم گشته نامش بهر نامه در
لغت زان شود تازی و پهلوی — که بالد سخن، چون پزیرد نوی
سخن گر بصد پرده دمساز گشت — چنان کامد ازوی بوی باز گشت
[۷] بهر لب که جوئی نوائی ازوست — بهر سر که بینی، هوائے ازوست

---

(۱) شاخابه: اس نهر کو کہتے ہیں جو کسی دریا میں سے کاٹ کر جاری کریں - ۱۲ (غالب)

(۲) ز نهاری: بمعنی مستامن - ۱۲ (غالب)

(۳) ره آورد: بمعنی سوغات - ۱۲ (غالب)

اگر دیوساریست بیهوش و هنگ (۱) که همواره پیکر تراشد ز سنگ
به بت سجده زان رو روا داشته که بت را خداوند پنداشته
وگر خیره چشمیست نیر پرست بدرد می از جام اندیشه مست
بمهرش ازان راه جنبیده مهر گزین روزنش دوست بنموده چهر
ز تاری (۲) درونان اهریمنے گروهی بود کز خرد دشمنے
زبس داد ناآشنائی دهند بآتش نشان خدائی دهند
به تن ها به آذر گرایش کنان بدلها خدا را نیایش کنان
گروهی سرا سیمه در دشت و کوی خداوند جوی و خداوند گوی
ز رسمی که خود را بر آن بسته اند به یزدان پرستی میان بسته اند
ز مهری که بیخواست در دل بود پرستند حق گر بباطل بود
نظرگاه جمع پریشان یکیست پرستنده انبوه و یزدان یکیست
کدامی کشش کان ازان سوی نیست بد و نیک را جز بوی روی نیست
جهان چیست آئینهٔ آگهی فضای نظر گاه ''وجه اللهی''
نه هرسو که رو آوری سوی اوست خود آن رو که آوردهٔ روی اوست
زهر ذره کاری به تنهائیش نشان بازیابی ز یکتائیش
چواین جمله را گفتهٔ عالم اوست به گفت انچه هرگز نیاید، هم اوست
چو اینجا رسیدم همایون سروش بمن بانگ برزد، که غالب خموش!
بپاشید در لرزه بندم، ز بند تپان همچو بر روی آتش، سپند
چو از وی پزیرایٔ راز آمدم مناجات را، پرده ساز آمدم
بساز نیایش شدم زخمه ریز بدان تا بدینسان کنم زخمه (۳) تیز

آغاز مناجات (۴)

خدایا زبانی که بخشیدهٔ به نیروی جانی که بخشیدهٔ
دما دم به جنبش گراید همی ز راز تو حرفے سراید همی

---

(۱) هنگ: مخفف فرهنگ - ۱۲ (غالب)
(۲) تاری: مخفف تاریک - ۱۲ (غالب)
(۳) زخمه: بمعنی مضراب - ۱۲ (غالب)
(۴) کلیات طبع اول، نول کشور میں ''آغاز'' ندارد -

ندانم که پیوند حرف از کجاست
دربن پرده لختی شگرف از کجاست

گر از دل شناسم جنون بیش نیست
که آن نیز یک قطره خون بیش نیست

خرد را سگالم که نیرو دهد
خود او را ز من حیرتی رو دهد

نه آخر سخن را کشایش ز تست
به نابود چندین نمائش ز تست

چو پیدا تو باشی نهان هم توئی
اگر پردهٔ باشد آنهم توئی

بهر پرده دمساز کس جز تو نیست
شناسندهٔ راز کس جز تو نیست

چه باشد چنین پرده ها ساختن
شگافے بهر پرده انداختن

بدین روی روشن نقاب از چه روی
چو کس جز تو نبود حجاب از چه روی

همانا از آنجا که توقیع ذات
بود فرد فهرست حسن صفات

تقاضای فرمان روائی درست
ظهور شیون خدائی درست

[8] ز فرمان دهی خاست فرمانبری
شناساوری شد شناسا گری

ترا باخود اندر پرند خیال
بود نقطهٔ از صفات کمال

کزان نقطه خیزد سیاه و سپید
وزان پرده بالد هراس و امید

بدان تازه گردد مشام از شمیم
بدان بشگفد گل بباغ از نسیم

از انجا نگه روشنائی برد
وزآنجا نفس نغمه زائی برد

ازآن جنبش آید به شوخے برون
اگر موج رنگست ور موج خون

اگر سود گوهر بدامن برد
زیان گر خود اخگر بخرمن برد

ز آلائش کفر و پردازدین
ز داغ گمان و فروغ یقین

بهر گونه پروازش هست و بود
جمال و جلال تو گیرد نمود

به گردون ز مهر و باختر ز تاب
بدریا ز موج و بگوهر ز آب

بانسان ز نطق و بمرغ از خروش
بنادان ز وهم، و بدانا ز هوش

بچشم از نگه و به آهو ز رم
بچنگ از نوائی و بمطرب ز دم

بباغ از بهار و بشاه از نگین
به گیسو ز پیچ و به ابرو ز چین

عیار وجود، آشکارا کنے
نشانهای جود، آشکارا کنے

جمال تو ذوق تو از روی تو
جلال تو تاب تو از خوی تو

جمال ترا ذره از آفتاب
جلال ترا یوسف اندر نقاب

چه باشد چنین عالم آرائیے
همانا خیالے و تنهائیے

توئی آنکه چون پا گزاری براه
نیابی بجز خویشتن جلوه گاه

چو رو در تماشای خویش آوری
هم از خویش آئینه پیش آوری

نه چندان کنی جلوه بر خویشتن   که کس جز تو گنجد درین انجمن
بفرمان خواهش که آن شان تست   هم از خویش برخویش فرمان تست
کنی ساز هنگامه اندر ضمیر   چو یم در یم و رشته اندر حریر
ظهور صفات تو جز در تو نیست   نشا نهای ذات تو جز در تو نیست
ز خواهش بکوری چشم دوئی   بآرایش دهر کانهم توئی
کشائی نور دهنر رنگ رنگ   کشی پرده بر روی هم تنگ تنگ
ز هر پرده پیدا نوا سازیے   بهر جلوه پنهان نظر بازیے
پدید آوری برگ و سازی فراخ   چو نخلی بانبوهی برگ و شاخ
درین گونه گون آرزو خواستن   بود چون ببالست آراستن
ز هر پرده رنگے که گیرو کشاد   چنان دلکش افتد که بی آن مباد
قلم در کف و تاج بر سر رسد   بهر جا رسد هرچه از در (۱) رسد
بنه چرخ والائی و برتری   بچار آخشیج آدمے پیکری
به یزدانیان فرهٔ ایزدی   به یونانیان بهرهٔ بخردی
بکشور کشایان دم گیرودار   به مسکین گدایان غم پود و تار
بناهیدیان، بادهٔ بیغمے   به کیوانیان، گونهٔ ماتمے
[۹] بمستان نشید و بعشاق آه   بآهن کلید و به زر نام شاه
به بیرنگ نقش و بپرگار سیر   بطامات لعن و بطاعات خیر
به ابر از پی خاک آب حیات   بخاک از غم ابر، جوش نبات
بمی در فروغی که چون بردمد   ز سیمای میخواره نیر دمد
به نے در نوائی که چون بر کشند   بآواز آن ناله ساغر کشند
بساقی خرامی که از دلبری   ز شاهد برد دل بساقی گری
بشاهد ادائی که از سر خوشے   بساقی دهد داروے بیهشے
به آزاده دستے که ساغر زند   به افتاده سنگے که بر سر زند
هر آئینه ما را که ترد امینم   ز دیوانگی با خرد دشمنیم
ز آلودگیها گرانے بود   همه سختی و سخت جانے بود
ز هر شیوه ناسازگاری رسد   ز هر گوشه صد گونه خواری رسد
ببزم ار چه در خوردن باده ایم   و لیکن بدان گوشه افتاده ایم

---

(۱) نورد - ملفوف - پیچ و تاب - ناقل
(۲) از در: بمعنی لائق ۱۲- (غالب)

که چون سوی ما ساقی آرد بسیچ　　نیابیم جز گردش از جام هیچ
بکفر آنچنان کرده کوشش که خویش　　نباشیم تاری ز زنار بیش
ز لب، جز بنا گفتنے کار نه　　ز خود جز به نفرین سزاوار نه
نه سودای عشق و نه راه صواب　　نه در سینه آتش نه در دیده آب
نه دستوردان و نه خسرو شناس　　نه از شحنهٔ شرع، در دل هراس
نیاسوده از ما به کنج و کمین　　کسی، جز وقایع نگار یمین
گناه آنقدرها برون از شمار　　که رنجد یسار سروش یسار
چو از پردهٔ پرس و جو بگزرند　　روانهای ما را بدوزخ برند
هر آئینه از ما بتر دامنے　　فرو میرد آتش بدان روشنی
بدان، تا چو این گرد خیزد، زراه　　بسوزند مارا بشرم گناه
ولی با چنین آتشی خانه سوز　　تر و خشک و آباد ویرانه سوز
نه این بسکه سوزان به داغ توایم　　ز پروانگان چراغ توایم
بهر گونه کالا روائے ز تست　　بما بهرهٔ ناروائے ز تست
زابرے که بارد بگلزار بر　　بروید گیا ہے بدیوار بر
بدان نابرومندی آن ناتوان　　ز سر سبزی باغ بخشد نشان
اگر خوار ور ناروائیم ما　　بباغ تو برگ گیا هیم ما
بخویش از ظهور جلالت خوشیم　　فروزینهٔ ایزدی آتشیم
تر آب جگر خستگی را نمی ست　　که گلهای باغ ترا شبنمی ست
زره ناشناسان کژرو بگشت　　دمد جادهٔ دیگر از روی دشت
فزاید بغوغای یوسف دوبهر　　ترنج و کف خرده گیران شهر
اگر کاسهٔ قیس مسکین شکست　　صدائی زلیلی دران کاسه ست

~~(باقی آئنده)~~

را بر



قیمت فی پرچه تین روپے پچاس پیسے ۳٫۵۰
قیمت سالانه باره روپے ۱۲

مثنوی ابر گہر بار

مرزا اسد الله خان غالب

حکایت

[۱۰] شنیدم که شاهی درین دیر تنگ
ز پهلو (۱) برون راند لشکر بجنگ

گزین شهسواران عنان بر عنان
مهین نیزه داران سنان بر سنان

به پیچش ز چرمین عنان هاے سخت
ز حل را بدلو، اندرون پاره رخت

بجنبش ز رخشان سنان های تیز
بروی هوا نور خور ریز ریز

دلیرانه با لشکر نام جوئے
بآقلیم بیگانه آورد روئے

ز بس چست خود را به پیکار برد
بدشمن شبیخون بآیوار (۲) برد

بدان دم که در رهروے بر گرفت
ز بد خواه اورنگ و افسر گرفت

ز کالای تاراج دامن فشاند
به لشکر زر و مال دشمن فشاند

از آن گنج کز لعل و گوهر شمرد
سر خصم پامزد خود بر شمرد

هنوز از غباری که برجسته بود
بسا وره بر خاک ننشسته بود

که در جنبش از چرخ آرام یافت
زدادار پیرو زگر کام یافت

نیازی ز فرخندگے بازگشت
سوی کشور خویشتن باز گشت

خود آهسته رو بود، در ره ز نیش
فرستاد فرمان، بدستور خویش

که فرمان دهد، تا به هر گونه بهر
به بندند، آئین شادی به شهر

نمطها، به آراستن، نو کنند
پرستاری بخت خسرو کنند

بدین دل کشا مژده کز شه رشید
بهار طرب را سحر گه رسید

بروزی که با یستی از شاهراه
بایوان خرامد، خداوند گاه

هم از شام مشعل بر افروختند
امینان بکوشش نفس سوختند

به مهتاب شستند، سیمای خاک
فشاندند پروین بدیهای خاک

---

(۱) خراسان قدیم، ایک علاقے کا پرانا نام

(۲) ایوار روز: بمعنی سفر روز- ۱۲ (غالب)

ببازارها سو بسو صف به صف … به پیرایه مندی کشودند کف
ز هر پرده، نقشی بر انگیختند … به هر گوشه، چینی در آویختند
بدان گونه آئینه ها ساختند … که بینندگاں، چشم و دل باختند
سحر گاه، چون داد بار آفتاب … ز هر گوشه سر زد هزار آفتاب
زمین را ز گرمی بجوشید مغز … برون داد از کان گهر های نغز
به آرایش جادهٔ رهگزار … صدف ریخت از بحر در بر کنار
تو گوئی ز تاب گهرها بروز … که نگسسته پیرایهٔ شب هنوز
چو هر کس بأندازهٔ دسترس … بشادی زد، از خود نمائی نفس
گروهے ز بے مایهٔ زندانیان … علی الرغم نوکسیه سامانیان
به آئین به بستند از خویشتن … سیه پردهٔ بر رخ انجمن
که (۱) هر تار زان پرده زنجیر بود … نوا ناله گر بم و گر (۲) زیر بود
به مرغوله کاندر نوا داشتند … همان دود دل بر هوا داشتند
بر اجزای تن جا بجا بند سخت … بهر بند لختی ز تن لخت لخت
نفس کرم شغل چراغاں ز آه … ز گرمی خس و خار سوزاں براه
چو گیتی کشا مرکب خسروی … قدم سنج اندازهٔ ره روی
[۱۱] بشهر اندر آورد از راه روی … رسیدند، گوهر کشاں بوی بوی
بدان جاده گوهر فرو ریختند … بمغز زمین رنگ و بو ریختند
ز آئیں که در شهر بر بسته بود … دو صد نقش بر یک دگر بسته بود
بدان تا رود خطوهٔ چند پیش … بجنبید هر نقش بر جائے خویش
جگرگوں نگاهاں خونین نوا … گرفتند چون داغ بر سینه جا
ز اشک فرو خورده مشتی گهر … ملک را فشاندند بر رهگزر
ز خوں گشته پنهاں هوس های خویش … کشیدند خواں هائے یاقوت پیش
شهه دیده ور را، دل از جای رفت … بخاموشیش بر زباں های رفت
خموشی به دل جوئی آواز شد … ترحم به گفتار دمساز شد
لب از جوش دل چشمهٔ نوش ریخت … نوید رهائی، بسر جوش ریخت
ده و دودهٔ و گنجد انها، ز پی … گدا یاں روان کاروانها ز پی
عزیزی که یارای گفتار داشت … به هر پرده اندازهٔ بار داشت

(۱) متن ''که هر تار'' کلیات سے تصحیح کی گئی ہے۔
(۲) '' گر بم و زیر بود'' صحیح نامہ ''گز بم و گر زیر بود''۔

زبیداد، ذوق شناساوری / فغان بر کشید اندران داوری
که الماس در زر نشانندگان / نسنجیده گوهر فشانندگان
بیائید و داغ بپای روند / جگر تشنهٔ مرحبای روند
تهی کیسگان تا دمی بر کشند / به گردون زر و لعل و گوهر کشند
بحرفی، کز و لب گهر خیز شد / جهانبان، چنین پاسخ انگیز شد
که اینان جگر خستگان منند / به آهن فرو بستگان منند
بجز موے و ناخن که بینی دراز / زبان کوته از دعویٔ برگ و ساز
(۱) لباس از گلیم و زر از آهنست / گر آهن زمن، ور گلیم از من است
نیاورده اند آنچه آورده اند / زمن برده اند آنچه آورده اند
به آئین در آئینهٔ انجمن / مرا کرده اند آشکارا، به من
از آن رو که در تب ز تاب منند / همان ذرهٔ آفتاب منند
تو نیز ایکه! هرچیز و هرکس ز تست / بهار و خزان و گل و خس ز تست
بروزی که مردم شوند انجمن / شود تازه پیوند جان ها به تن
روان را به نیکی نوازندگان / بسرمایهٔ خویش نازندگان
گهر هاے شهوار پیش آورند / (۲) فروهیده کردار پیش آورند
ز نوری که ریزند و خرمن کنند / جهان را بخود چشم روشن کنند
به هنگامه با این جگر گوشگان / درآیند مشتی جگر توشگان
ز حسرت بغل برده دندان فرو / ز خجلت سر اندر گریبان فرو
در آن حلقه من باشم و سینهٔ / ز غم هائے ایام گنجینهٔ
در آب و در آتش بسر بردهٔ / ز دشواری زیستن مردهٔ
تن از مایهٔ خود به بیم اندرون / دل از غم به پهلو دو نیم اندرون
ز ناسازی و ناتوانے بهم / دم اندر کشاکش ز پیوند دم
[۱۲] زبس تیرگی های روز سیاه / نگه خورده آسیب دوش از نگاه
به بخشای بر ناکسیهای (۳) من / تهیدست و درمانده ام، وای من
بدوش ترازو منه بار من / نسنجیده بگزار کردار من
بکردار سنجی میفزای رنج / گرانباریٔ درد عمرم بسنج

---

(۱) متن ''سپاس از گلیم'' صحیح نامه - ''لباس از گلیم''۔
(۲) فرو هیده : بمعنی خوب و نیک - ۱۲- (غالب)
(۳) متن ''ناکیهای'' صحیح نامه ''ناکسیهای''۔

که من باخود از هرچه سنجد خیال   ندارم بغیر از نشان جلال
اگر دیگران را بود گفت و کرد   مرا مایهٔ عمر رنجست و درد
چه‌پرسی چوآن رنج و درد، از تو بود   غمی تازه در هر نورد، از تو بود
فرو هل، که حسرت خمیر منست   دم سرد من زمهریر منست
مبادا، به گیتی چو من هیچ کس   جحیمی دلی، زمهریری نفس
به پرسش مرا در هم افشرده گیر   پرکاه را صرصری برده گیر
پس آن گه بدو رخ فرستاده دان   در آتش خس از باد، افتاده دان
ز دودی که بر خیزد از سوز من   شود بیش تاریکئی روز من
در آن تیرگی نبود آب حیات   که بروی خضر را نویسی برات
ز دود و شراری که من در دهم   نه گردون فرازم نه اختر دهم
فتد بر تنم چون از آن شعله داغ   نسوزد بخاک شهیدان چراغ
اگر نالم از غم ز غوغای من   نه پیچد بفردوس آوای من
که زهاد مینو نشین زان صدا   به افشاندن دست کو بند پا
وگر هم چنین ست فرجام کار   که می باید از کرده راندن شمار
مرا نیز یارای گفتار ده   چو گویم بر آن گفته ز نهار ده
درین خستگی پوزش از من مجوی   بود بندهٔ خسته گستاخ گوی
دل از غصه خون شد نهفتن چه سود   چو ناگفته دانی،(۱) بگفتن چه سود
زبان گرچه من دارم اما ز تست   به تست ارچه گفتارم اما ز تست
همانا تو دانی که کافر نیم   پرستار خورشید و آذر نیم
نکشتم کسے را با هر یمنے   نبردم ز کس مایه در رهزنے
مگرمی که آتش بکورم ازوست   به هنگامه پرواز مورم ازوست
من اندوهگیں و می اندہ رہائی   چه میکردم،(۲) ای بنده پروردخدائی!
حساب می و رامش و رنگ و بوی   ز جمشید و بهرام و پرویز جوی
که از باده تا چهره افروختند   دل دشمن و چشم بد سوختند
نه از من که از تاب می گاه گاه   بدریوزه رخ کرد، با شم سیاه

(۱) کلیات و مثنوی میں "نه گفتن چه سود" ہے۔ مگر صحیح نامے میں "به گفتن چه سود" لکھا ہے۔

(۲) کلیات و متن ابر گہربار میں "می گردم" ہے مگر صحیح نامه میں "می کردم" لکھا ہے۔

نه بستانسرائی نه میخانهٔ / نه دستانسرائی نه جانانهٔ

نه رقص پری پیکران بر بساط / نه غوغای رامش گران در رباط

شبانگه به می رهنمونم شدے / سحرگه، طلب‌گار خونم شدے

تمنای معشوقهٔ باده نوش / تقاضای بیهودهٔ میفروش

چه گویم چو هنگام گفتن گزشت / ز عمر گرانمایه بر من گزشت

بسا روز باران و شبهای ماه / که بو دست بی می بچشمم سیاه

[۱۳] بسا روزگاران (۱) بدلدادگے / بسا نوبهاران به بی بادگے

افقها پر از ابر بهمن مهی / سفالینه جام من از می تهی

بهاران و من در غم برگ و ساز / در خانه از بے نوائی فراز

جهان از گل و لاله پر بوی و رنگ / من و حجره و دامنی زیر سنگ

در عیش جز رقص بسمل نبود / بآندازهٔ خواهش دل بنود

اگر تافتم رشته گوهر شکست / و گر یافتم باده، ساغر شکست

چه خواهی ز دلق می آلود من / ببین جسم خمیازه فرسود من

ز پائیز گویم بهارم گزشت / ز می بگزرم روزگارم گزشت

بنا سازگاری ز همسایگان / به سرمایه جوئی ز بے مائگان

سر از منت ناکسان زیر خاک / لب از خاک بوس خسان چاک‌چاک

به گیتی درم بینوا داشتے / دلم را اسیر هوا داشتے

نه بخشنده شاهی، که بارم دهد / به هر بار زر، پیل بارم دهد

که چون پیل زانجا برانگیز می / زرش بر گدایان فرو ریز می

نه نازک نگاری که نازش کشم / بهر بوسه زلف درازش کشم

چوزان غمزه تیشی بدل بر خورد / رگ جان غم نوک نشتر خورد

بدان عمر ناخوش که من داشتم / ز جان خار در پیرهن، داشتم

چو دل زین هوسها بجوش آمدی (۲) / ز دل بانگ خونم بگوش آمدی

هنوزم همان دل بجوش اندرست / ز دل بانگ خونم بگوش اندرست

چو آن نامرادے بیاد آیدم / به فردوس هم دل نیاسایدم

---

(۱) کلیات و متن ابر گہربار میں "می گردم" ہے مگر صحیح نامے میں "می کردم" لکھا ہے۔

(۲) کلیات و متن مثنوی میں "آیدی" ہے مگر صحیح نامے میں "آمدی" بنایا گیا ہے۔

دلی را که کمتر شکیبد بباغ　　　در آتش چه سوزی بسوزنده داغ
صبوحی خورم گر شراب طهور　　　کجا زهرهٔ صبح و جام بلور
دم شبرویهای مستانه کو　　　به هنگامه غوغای مستانه کو
در آن پاک میخانهٔ بیخروش　　　چه گنجایش شورش نای و نوش
سیه مستی ابر و باران کجا　　　خزان چون نباشد بهاران کجا
اگر حور در دل خیالش که چه　　　غم هجر و ذوق وصالش که چه
چه منت نهد ناشناسا، نگار　　　چه لذت دهد وصل بے انتظار
گریزد دم بوسه اینش کجا　　　فریبد به سوگند دینش کجا
برد حکم و نبود لبش تلخ گوئی　　　دهد کام و نبود دلش کامجوی
نظر بازی و ذوق دیدار کو؟　　　به فردوس، روزن بدیوار کو؟
نه چشم آرزو مند دلاّلهٔ　　　نه دل تشنهٔ ماه پر کالهٔ
ازینها که پیوسته میخواست دل　　　هنوزم همان حسرت آلاست دل
چو پرسش رگی را، بکاود، ز دل　　　دوصد دجله خونم تراود، ز دل
بهر جرم کز روی دفتر رسد　　　ز من حسرتے در برابر رسد
[۱۴] بفرمائی کاین داوری چون بود؟　　　که از جرم من حسرت افزون بود؟
هر آئینه هم چون مئے رابه بند　　　تلافی فرا خور بود، نے گزند
بدین مویه در روز امید و بیم　　　بگریم به انسان که عرش عظیم
شود از تو سیلاب را چاره جوی　　　تو بخشی بدان گریه ام آبروی
و گر خون حسرت هدر کرده ای　　　ز پاداش، قطع نظر کرده ای
گزشتم ز حسرت امیدیم هست　　　سپید آب روی سپیدیم هست
که البته این رند ناپارسا　　　کج اندیشه گبر مسلمان نما
پرستار فرخنده منشور تست　　　هوا دار فرزانه وخشور (۱) تست
به بند امید استواری فرست　　　به 'غالب' خط رستگاری فرست

نعت

بنا میزد، اے کلک قدسی صریر　　　به هر جنبش از غیب نیرو پزیر
ز مهرم بدل هم چو آه اندر آی　　　ز دل تا بر آرم به گردون بر آی
چو بر سلسبیلت ره افتد به خم　　　خیابان خیابان به مینو به چم
به دم درکش آب گهر سای را　　　نمودار کن گوهر لای را

(۱) وخشور: پیغمبر - (مرتب)

فرو رو بدان لای و دیگر بروی | ز سرسبز گرد د فرو سو به پوی

شگافی از آن در بخویش اند آر | بهشتی نسیمی به بوش اند آر

بدان نم که اندر سرشت آوری | بدان باد خوش کز بهشت آوری

دل آویز تر جنبشے ساز کن | به جنبش رقم سنجی آغاز کن

درودی به عنوان دفتر نویس | به دیباچه نعت پیمبر نویس

محمد کز آئینهٔ روی دوست | جز اینش نه دانست دانا که اوست

زهی روشن آئینهٔ ایزدی | که در وی، نه گنجید زنگ خودی

ز راز نهاں پردهٔ برزده | ز ذات خدا معجزی برزده

تمنائے دیرینهٔ کردگار | بوی ایزد از خویش امیدوار

تن از نور پالوده سر چشمهٔ | ولی هم چو مهتاب در چشمهٔ

به هر جام ازو تشنهٔ جرعه خواه | به هر گام ازو معجزی سر براه

کلامش به دل در فرود آمدن | ز دم جسته پیشی، بزود آمدن

خرامش به سنگ، از قدم نقشبند | به رنگی، که نادیده پایش گزند

به دستش، کشاد قلم نارسا | به کلکش، سواد رقم نارسا

دل امید جای، زیان دیدگاں | نظر قبله گاه، جهان دیدگاں

به رفتار، صحرا گلستان کنی | به گفتار کافر مسلمان کنی

به دنیا، ز دین روشنائی دهی | به عقبی، ز آتش رهائی دهی

بخوی خوش، اندوه کاه همه | به آمرزش، امیدگاه همه

لب نازنینش، گزارش پزیر | جهان آفرینش، سپارش پزیر

زمین، دل ز کف دادهٔ پای او | خود از نقش پایش، سوایدای او

[۱۰] پئی آنکه او را ببوسد قدم | لب آورده یثرب ز زمزم بهم

ز بس محرم پردهٔ راز بود | بنزدیکیٔ حق، سرافراز بود

ر رازی که بادی سرودی سروش | صدائیش بودی، ز اول بگوش

خهی، قبلهٔ آدمی زادگاں | نظرگاه پیشین فرستادگاں

کسائی (۱) ده نسل آدم بخویش | روائی ده نقد عالم به خویش

بلندی ده کعبهٔ بالای او | ختن، بستهٔ چین گیسوی او

به کیش فریور، (۲) جهان رهنمای | ز بی راه پویان، خرامش ربای

ز بت بندگی، مردم آزاد کن | جهانی بیک خانه آباد کن

---

(۱) کسائی : بمعنی شخصیت - ۱۲　　(۲) فریور : صاحب دبدبه - ۱۲

به محراب مسجد رخ آرای دیر — به اندیشه خویش و دعاگوی غیر
تو گوی ز بس دل ز دشمن رباست — که سنگ درش، سنگ آهن رباست
ز خونی که در کربلا شد سبیل — ادا کرده وام زمان خلیل
گزین بنده کز بندگی سر نه تافت — ز والا پسیجی عوض بر نه تافت
کنش را بدان گونه شیرازه بست — بدین صفحه نقشی چنان تازه بست
که تا گردش چرخ نیلوفری — بود سبز (۱) جایش به پیغمبری
دل افسرده مالک ز خوش خوئیش — کمر بسته رضوان به دل جوئیش
ز کوثر به بینند تا درگهش — ز طوبیٰ همان تا به لشکر گهش
کدوی گدا و شراب طهور — کف پای درویش و رخسار حور
ز بادی که از دم بر افلاک زد — ز نقشی که از مهر بر خاک زد
فرا، زبس جهانش ز خود پیش دید — فرو دیں گروهش هم از خویش دید
مگس ران خوانش، پر جبرئیل — بخوان گستری' پیش کارش خلیل
جمالش' دل افروز روحانیان — خیالش، نظر سوز یونانیان
به دم، حرز بازوی افلاکیان — به پیوند، پیرایهٔ خاکیان
به معراج رایت به گردون بری — بدین شبروان، بر شبیخون بری
سخن، تا دم از ذکر معراج زد — بمن چشمک خواهش تاج زد
همانا، تهی دستم انگاشته — که خواری بمن، بر روا داشته
چو' نبود مرا' زبن تمنا گزیر — هر آینه گر دم تمنا پزیر
ز مه پایه' تا کلبهٔ مشتری — برویم (۲) فلک رابه چو لانگری
نفس ریزه های فروزنده هور — جگر پاره های کواکب' ز نور
که افتاده بینم' بدان ره گزار — گدایانه برچینم' از ره نثار
نثار شبی' کش ستایش گرم — به چیدن' ز بالا فرود آورم
کنم تاج طرح' از گهر ریزه ها — ز گوهر' بتاج اندر آویزه ها
به سائل دهم' تار سانم سرش — بجای کز انجا رسید افسرش

بیان معراج

[۱۶] همانا' در اندیشهٔ روزگار — شبی بود' سر جوش لیل و نهار
شبی' دیده روشن کن دل فروز — ز اجزای خود، سرمهٔ چشم روز

---

(۱) سبز بودن جای : بمعنی خالی بودن جای - ۱۲
(۲) اصل میں '' برویم '' ہے - کلیات میں '' بروبم ''

شبی ، فرد فهرست آثار عید   بیاضش ، ز جوش رقم ناپدید

ز ایام ، فیض سحر یافته   به شبگیر ، خورشید در یافته

به روشن دلی ، مایه اندوز بود   چنین شب مگر بهر یک روز بود

دران روز فرخنده آن شب نخست   همه روز ، خود را به خرشید شست

فرو رفت چون روز لیلای شب   برآراست ، محمل بر سم عرب

رخی ، جلوه گر در پرند (۱) سیاه   چو از مردمک ، جوش نور نگاه

به راهش ، ز بس نور می بیختند   بهر ذره ، خرشید ، می ریختند

چه بود ، از درخشندگی کان نداشت   نیازی به خرشید تابان نداشت

نه گویم شبی ، ماه وش دل بری   خور ، از زیور پیکرش گوهری

گر از زیوری ، گوهری کم شود   چه از تابش پیکری کم شود ؟

به زیر زمیں کرده خفاش روی   پئی امن گردید ، خرشید جوی

چنان گشته سر تا سر اجزای خاک   فروغانی و روشن و تابناک

که گوئی مگر ، مهر زیر زمیں   فروزان فوه (۲) بود و پشت نگیں

ویا خاک با جوهر آفتاب   بیا میخت ، چون درد می با شراب

سحر ، با خود از خود بریده امید   که چون پیش ایں شب توان شد سپید

بفرض ، ار دران شب ، ز بی ره دوی   زدی مهر تابان ، دم از شبروی

بدان گونه بودی بچشم خیال   که شاید نهد بر رخ از مشک خال

شده چشم اعمی ، دران جوش نور   تماشا گر حال اهل قبور

دریغا ، نبودم ، اگر بودمی   و زان روشنی ، بینش افزودمی

بخندید می ، بر دبیر (۳) یسار   چو او را ز خود دید می شرمسار

خرد ، گر بگوشش نفس سوختی   برون زیں نمط ما یه نندوختی

که بر قیست امشب ، که رم نیستش   ز جا جستن دمبدم ، نیستش

چگویم ، چساں گیتی افروز بود   شبی بود ، کز روشنی روز بود

ازان روز ، تشبیه عارض به شب   اگر رسم گشتی نه بودی عجب

دران شب ز بس بوده رخشان سرشت   فرو خوانده مردم خط سر نوشت

نگه را به هنگامه ، بے سعی و رنج   نمایان ز دل راز ، و از خاک گنج

---

(۱) اصل میں " در پرند نگاه " ہے لیکن کلیات میں " در پرند سیاه " ہے ۔

(۲) فوّه : بمعنی ڈانک جو نگ کے تلے رکھتے ہیں ۱۲۔

(۳) دبیر یسار: بائیں ہاتھ پر نامہ اعمال لکھنے والا فرشتہ ، نکیر ۔ (مرتب)

ز بس ریزش نور بالای نور بگیتی روان بود، دریای نور

که ناگہه ورود سروشان سروش درآن بیکران قلزم افگند جوش

ز بادی که از بال جبریل خاست تنومند موجی از آن نیل خاست

صدائی رسید از پر بہمنی که خود گوش چشمی شد از روشنی

مہس پرده دار در کبریا کشایندهٔ پرده بر انبیا

همایون همای پیام آوری به آوردن نامه، نام آوری

[۱۷] روان و خرد را روانی بدو نبی را دم رازدانی بدو

امینی (۱) "نخستین خرد" (۲) نام او ز سر جوش نور حق آشام او

فروزان به فر فروغ یقین چنان کز محمد دل، از وی جبین

سرایندهٔ راز، بعد از درود بدین پرده راز نهانی سرود

که "ای چشم هستی بروی تو باز نیاز تو هنگامه آرای ناز"!

خداوند گیتی خریدار تست شب ست این، ولی روز بازار تست

چنین لنگر ناز سنگین چرا؟ نهٔ طور، اظهار تمکین چرا؟

کسان، جلوه بر طور گر دیده اند ز راه تو، آن سنگ بر چیده اند

نه بینی براه اندرون سنگلاخ کران تا کرانست، راهی فراخ

بلی، از گدایان دیدار خواه نه بینند کسی جز بره روی شاه

عزیزی که فرمان شاهش بود گزین پایه دربار گاهش بود

به دور تو شد لن ترانی کهن فصاحت مکرر نه سنجد سخن

ترا خواست یزدان پاک هر آئینه از لن ترانی چه باک

توئی کانچه موسیٰ باو گفته است خداوند یکتا بتو گفته است

توئی آنکه تا سر ترا خوانده اند درین ره گزر گرد بنشانده اند

ز ایمن چه گوئی که راه ایمنست به شبگیر بر شو که شب روشن است

بنه در ره از پرتو روی خوش چراغی فرا طاق ابروی خویش

نه گویم که یزدان ترا عاشقست ولی زان طرف جذبهٔ صادق است

جهان آفرین را خور و خواب نیست تو فارغ به بستر چه خسپی، بایست

بیارای شمشاد بی سایه را به پیمای اورنگ نه پایه را"!

چو خاطر به گفتار خویشش کشید هما سایه رخشی به پیشش کشید

بروحانیان پرورش یافته ز ریحان مینو خورش یافته

(۱) "ابر گہر بار" کے متن میں "مینی" ہے - غلط نامے میں تصحیح ہے -
(۲) نخستین خرد : عقل اول، وجود محمدی -

هیونی، که تا دم ز مستی زند
ز بالا قدم سوی پستی زند

ز گنبد به غلطانی ار گردگان
نیفتد که آید فرو، ز آسمان

شتابش برفتار زان حد گزشت
که تا گوئی ''آید'' ز آمد گزشت

بهم ''چشمی' هور'' ساغر سمی
بهم دوشی' ''هور گیسو'' دمی

سبک خیزیش خنده زن بر نسیم
که در جنبش انگیزد از گل شمیم

هم از باد صبحی، سبک خیز تر
هم از نکهت گل، دل آویز تر

ز ساق و سمش، گر بهزم مدام
کنی، ساز تشبیه مینا و جام

نباشد شگفت، اربدیدن رسد
که آن باده، پیش از رسیدن رسد

ز تیزی، به گلبرگ گر بگزرد
ز گلبرگ، رنگ آن چنان بسترد

که دیگر، بدان دیده' راست بین
که یورندانند، گل از یاسمین

دو صد ره، ز چشم ار به دل در رود
درین ره به جستن سراسر رود

نه اجزای بینش، ز هم بگسلد
ز پیوند هنجار دم، بگسلد

[۱۸] پیمبر، بدین مژده' دل نواز
که بودش در اندیشه از دیر باز

ز بس ذوق، ناسوده بریال دست
بران باره، یکبارگی بر نشست

مثل زد بربین ماجرا، بلبلی
که ''باد آمد و برد بوی گلی''

خرامی، ز مقراض ''لا'' تیز تر
جمالی، ز ''الا'' دلاویز، تر

چو بود آتش، آن پویه' آتشین
بر افروختنش، باد دامان زین

براق از قدم خار در راه سوخت
پیمبر به دم، ''ماسوی الله'' سوخت

فرس، چون سواری سر افراز یافت
دمی تازه، در خویشتن باز یافت

به جنبش در آمد، عنان ناگهش
فضای زمین گشت، جولانگهش

به سم، گنج قارون نمایان کنان
به دم، عقد پروین، پریشان کنان

چنین، تا ز بیت المقدس گزشت
ازین کهنه کاخ مقرنس گزشت

هوا تا زند بوسه، بر پای او
براه اندر آویخت، در پای او

ولی، توسن از بسکه سرکش گزشت
هوا تا دهد بوسه، ز آتش گزشت

قدم تا بر اورنگ ماهش رسید
باکلیل کیوان کلاهش رسید

ببالید چندان، ز بیشی قدر
که بی منت مهر، گردید بدر

شد، از پردلی، هم بتحت الشعاع
مقابل به خرشید، در اجتماع

ز مه، گر کند مهر، پهلو تهی
چه غم چون ز خویشش بود فربهی

چو فرمان چنان بودش، از شهریار
که گردد دران راه، منزل شمار

به هنگام عرض نشانهای راه
بران پیک دانا، ببخشود شاه

به فر قبول خودش، خاص کرد — بداغش، نشانمند اخلاص کرد
به سیمای مه، داغ چون بر نهاد — دوم پایه را پایه بر تر نهاد
صفای کشاد خدنگ نگاه — بدان حد که شد تیرش آماجگاه
به شمعی که بینش به شبگیر سوخت — شه دیده ور تیر بر تیر دوخت
عطارد به آهنگ مدحت گری — زبان جست بهر زبان آوری
به دستوری خواهش روزگار — نهان خود از پرده کرد آشکار
در اندیشه، پیوند قالب گرفت — بخود در شد و شکل غالب گرفت
به دل گرمیٔ شوق جرأت فزای — شد از دست و گردید، دستان سرای
درین صفحه مدحی که من می کنم — خود از گفتهٔ خود سخن می کنم
که ای ذرهٔ گرد راه تو من — ز خود رفتهٔ جلوه گاه تو من
نظر، محو حسن خدا داد تو — ستم، کشتهٔ غمزهٔ داد تو
برفتار، رخش تو اختر فشان — بگفتار، لعل تو گوهر فشان
قبول غمت، حرز بازوی شاه — غریب رهت، جنت آرامگاه
خراج تو بر گنج گشائیان — نثار تو پارنج مشائیان
جهان آفرین را گرایش به تو — گنه بخشیش را نمایش به تو
سر من، که بر خط فرمان تست — نجاتش ز دوران، به درمان تست
[۱۹] درین ره ستایش نگار تو ام — به بخشایش، امیدوار تو ام
ازان پس که گشت اندران مرحله — عطارد فروزان، بنور صله
سپهر سوم، گشت جولانگهش — جبین سود، ناهید، اندر رهش
بط و بربط، از پیش بر چیدنش — نشان می و نغمه پوشیدنش
بدان گرمی از جا، بر انگخیت گرم — که خونش ز اعضا، فرو ریخت گرم
نه تنها برخساره رنگش شکست — که از لرزه در دست چنگش شکست
به ناخن شکستنش ازآن زخمه نی — که دلهای شوریده خستی بوی
ز بیم از کف چنگیٔ دل نواز — به غیر از دف مه، فرو ریخت ساز
چو در حلقهٔ شرع شد چنبری — به دان دف در آمد به خنیا گری
مه و زهره باهم دگر خوش بود — چو ساقی که از نغمه سر خوش بود
بدان دم که زاور،(۱) به رامش گرفت — چو شه سوی بالا خرامش گرفت
ردای ز نورش به انعام داد — که در جلوه بر سر کشد بامداد

(باقی آئینده)

(۱) زاور: ستارهٔ زهرا - مرتب





مرزا (۱)

رباط سوم چون نور دیده شد — فرازش رباط دگر دیده شد

زر اندوده کاخی گزیں منزلی — ز بس روشنی دل نشیں منزلی

ز هوشنگ هوشانِ کاؤس کوس — بسے بر در خانه در خاک بوس

به بالا و پائیں ز شش راه رو — نظرها بدان حلقهٔ در گرو

بدان در بد ریوزه رویٔ همه — و زان قلزم آبی بجویٔ همه

دران کاخ جاکرده نام آوری — شهنشه نگویم شهنشه گری

جهانگیریٔ شهر یاران بدو — گل افشانیٔ نو بهاران بدو

اگر نور گوی، نمودش ازو — و گر سایه جوئی، وجودش ازو

به بی خواهشی، با نظر های پاک — ز لعل و زر آکسیریٔ سنگ و خاک

به سرهنگیٔ شرع، هنگامه ساز — بدو بسته، گر روزه ور خود نماز

ز شادی، سر از پای نشناخته — پزیره شدن را، برون تاخته

روان پیش پیشش مسیحا و بس — روانهایٔ شاهان پیشین ز پس

قدم بوس پیغمبر آهنگ کرد — ز بس بوسه جا بر قدم تنگ کرد

ز مهرش بجنبش در آمد لبی — به هر بوسه رست از فلک کوکبی

به نیسان، که گردون پر از کوکبست — همانا، ز گلبازیٔ آن شبست

---

(۱) اس مثنوی کی دو قسطیں ''اردو'' کے اپریل اور جولائی ۱۹۶۶ع کے شماروں میں شائع کی جا چکی ہیں ۔ اس مثنوی کو جناب مرتضی حسین فاضل نے مرتب کیا ہے ، موصوف کا مقدمہ پہلی قسط کے ساتھ شائع کیا گیا تھا ۔ (اداره)

رسیدش بدان خسروانی مناص / به تعمیم اوقات ، در وقت خاص
ز نیر نیاز و ز شاهان سجود / ز عیسیٰ سلام و ز یزدان درود
خرامنده کبک بلندی گرای / بر آن زمره گسترد ظلِ همای
توانا ، ره انجام گردون خرام / فراتر زد ، از چارمین چرخ ، گام
ز فر سوار و خرامِ ستور / به پنجم نشیمن ، در افتاد شور
سپهری سپهبد به پر کلاه / گهر ریزه ها رفت از شاهراه
ولی بود چون بر کمر ، دامنش / تونگر ، نه کرد آن گهر چیدنش

اگر خود(۱) همان یک کله وار برد
نه آخر گهر های شهوار برد

بگو ، تابدان گوهرین افسری / به خرشید تابان کند همسری
ازین پیش ، کس چون تونگر شود / که سرهنگ ، با شه برابر شود
ازان دم ، که خونش به رگ گرم شد / به منت پزیری ، دلش نرم شد
رگ گردنش ، از وفا پیشگی / ثمر سجده آورد ، در ریشگی
صف آرا گروهی ز بهرامیان / چو پیرامن کعبه ، احرامیان
نیا کان من ، تا جهانبان پشنگ / قدم برقدم ، اندران حلقه تنگ
به آسیب ، بازو به بازو زدن / ز هم جسته پیشی ، بزانو زدن
روانهای ترکان خنجر گزار / پر افشان دران بزم ، پروانه وار
شهنشاه چون عرض لشکر گرفت / فراز ششم چرخ ، ره بر گرفت
به پیش آمدش دلکشا معبدی / چنان ، چون بره ناگهان گنبدی
سر و شان فرخنده "امشاسپند (۲)" / زده بر درِ صومعه ، دست بند
در و بام کاشانه ، خرشید زای / نکو محضری را ، به کاشانه جای
که منشورِ خوبی به تمغای اوست / ظهور سعادت به امضای اوست
کنش را بپاداش نیرو دهی / منش را به فرزانگی خو ، دهی
به تلخی گوارا ، چو قهر طبیب / به تندی ملائم ، چو خشم ادیب
جوان بخت پیری ، همایون صفات / ز دل زندگی ، بر مزاج حیات

(۱) یہ اشعار مثنوی کے زیر نظر نسخے میں نہیں ہیں ، ہم کلیات طبع اول نول کشور سے نقل کر رہے ہیں۔
(۲) امشاسپند : فرشتۂ رحمت ۔ ۱۲ (مرتب)

خداوند از پاکیِ گوهرش
خداوند دریا، و برجیس میل
بدان جذب و میلی که انگیخت نور
خورد آب در راه، رهرو اگر
به جوشید سر چشمهٔ نور ازو
بدان جرعه کز چشمهٔ نوش زد
به لطفش، دم از آب حیوان گزشت
به چشم اثر بینِ فرزانه در
که گر خود توان گوهر جان شناخت
به دل تنگی از بس فرو خورده دود
دران پرده، هندوی و اژدن بسیج
سراسیمه از بس به تعظیم جست
بران رفته مسکین تاسف کنان
زدش بسکه در هر قدم، برملا
فرو ماند حیران، بدان کار در
پیمبر که، پویندهٔ راه بود
چو زینگونه، زین هفت در، بندژرف
[۲۰] سپهر ثوابت، به پیش آمدش
گهر پیکران از یمین و یسار
همانا، سپهر اندران مرحله
و یا خود نگاهش دران شهر بند
که از جذبهٔ شوق و ذوق ظهور
ز هی شوق (۲) گستاخ دیدار خواه
بدان شوق نازم، که بی خویشتن
مگر قدسیان را، خود از دیر باز
و یا رحمتِ حق، به جولانگهش
خرامنده اندر گذرگاهِ ناز

بیفشرد از مهر، اندر برش
از بن سوکشش بود، وزانسوی میل
چو شیر و شکر باهم آمیخت نور
پیمبر به ره خورد شیر و شکر
خوشا راه رو چشم بددور ازو
بدان ذوق، کاندر دلش جوش زد
به موجش، سر از کاخ کیوان گزشت
در آمد چراغی، بدان خانه در
فروغ وی از داغ، نتوان شناخت
شده شعله را، روی روشن کبود
به ز نار تابی کفش خورده پیچ
نخ از دست رفت، و بہم سود دست
ز خجلت برفتن توقف کنان
ادب ''دور باش'' و عنایت ''صلا''
گران گشت پایش، برفتار در
به دادار، جویندهٔ راه بود
پدید (۱) آمدش فتحیابی شگرف
گهرها ز اندازه بیش آمدش
نمودند بر شه گهرها نثار
ز هجرش دلی داشت پر آبله
ز تیزی به دیوار روزن فکند
ز روزن شد آن پرده غربالِ نور
ز هی حسنِ مستور عاشق نگاه
دود حسن سویش چنین قطره زن
براه نبی چشمها بود باز
ز سر جوش نور، آب زد، در رهش
خرامش همی کرد با برگ و ساز

---

(۱) یہ چونتیس شعر، گویا ایک صفحہ متن میں چھوڑ دیا گیا ہے۔
(۲) متن میں - ''زهی شوخ'' ہے مگر غلط نامہ ابرگہربار میں تصحیح کی گئی ہے۔

نهم پایه، کانرا توان خواند عرش　　به ره ز اطلس خویش گسترد فرش
زهی نامور پایهٔ سر فراز　　سرا پردهٔ خلوتستان راز
سر رشتهٔ نازشِ چون و چند　　به پیوند هستی بدان پایه بند
بود گرچه برتر ز افلاکیان　　ولی لرزد از نالهٔ خاکیان
دل بینوائی گر آید به درد　　نشیند بدان پایهٔ پاک گرد
صدای شکستِ کمرگاه مور　　درینجاست هیچ، و دران پرده شور
نه از مهر نام و نه ز انجم نشان　　نه دریا نمایان نه ریگ روان
دو گیتی نمایش ز صبحش دمی　　خود آن صبح را هر فلک، شبنمی
[۲۲] ز ایزد پرستان، به هر سر زمین　　بود سجده آنجا، چو سر بر زمین
بساطی هم از خویشتن تا بناک　　ز آلایش کلفت زنگ (۱) پاک
ز بس پای لغز خیال، از صفا　　رسیدن به پهنای آن نارسا
در آمد، گرانمایه مهمانِ حق　　به رخ ماهتابِ شبستانِ حق
قدم زد به راهی که رفتن نه داشت　　نگهبان و همراه و رهزن نداشت
در انجا که از روی فرهنگ ورای　　بجا باشد از (۲) خود نگویند جای
جهت را دم خود نمائی نماند　　ز مان و مکان را روائی نماند
غبار نظر شد، زره ناپدید　　سرا پای بیننده شد، جمله دید
در آورد بی کلفتِ سمت و سوی　　به نور السموات و الارض روی
تماشا هلاکِ جمالِ بسیط　　فروغ نظر موجهٔ زان محیط
شنیدن شهید کلامی شگرف　　منزه ز آمیزش صوت و حرف
کلامی و بیرنگیٔ ذات علم　　شنیدن بعقل اندر اثبات علم
نخستین در، از ''لا'' کشود آن رواق　　ز ''الا'' به صد اندوش پیشطاق
به ''الا'' رسید و ز ''لا'' درگذشت　　رسیدن ز پیوند جا در گزشت
دران خلوت آبادِ راز و نیاز　　بروی دوئی بود چون در فراز
نماند اندر احمد ز میمش اثر　　که آن حلقهٔ بود بیرونِ در
احد جلوه گر، باشیون و صفات　　نبی محوِ حق، چو صفت عین ذات
فروغی به مهر جهانتاب در　　به هر ذره تابی، ازان تاب در
ز خرشید، نا گشته پرتو جدا　　محیط ضیا خود، محیط ضیا

---

(۱) متن میں ''زنگ'' مگر غلط نامے اور کلیات میں ''رنگ'' ہے۔
(۲) کلیات طبع نول کشور اول و دوم اور متن میں ''از'' ہے لیکن غلط نامے میں ''ار خود'' ہے۔

رقمهای اندازهٔ هر شمار　　　همان از شگاف قلم آشکار
دو عالم خروش نواهای راز　　　و لیکن همان در خم بند ساز
ورق در ورق نکتهٔ دل بزیر　　　و لیکن همان در خیال دبیر
ز گفتن، شنیدن جدائی نه داشت　　　نمودن، ز دیدن جدائی نه داشت
چو اندازهٔ هر نمایش گرفت　　　ز وحدت بکثرت گرایش گرفت
به حکم تقاضای حب ظهور　　　تنزل در اندیشه آورد زور
احد کسوتِ احمدی یافته　　　دم دولتِ سرمدی یافته
به کوشش ز طبع وفاکوشِ او　　　همان میم او، حلقهٔ گوش او
به هر گونه بخشش سر افراز گشت　　　هم از حضرت حق بحق باز گشت
بیامد بدین خاکدان بی درنگ　　　چو در جوی آب و چو بر روی رنگ
نرفته برون پای از نقش پای　　　که کرده قدم بر قدم گاه جای
شراری که از سنگ آن آستان　　　بدر جست از نعل برق جهان
هنوزش قدم در رهِ اوج بود　　　که آمد ز بالا به پستی فرود
به جنبش درش حلقهٔ در همان　　　ز دی گرم بالین و بستر همان
سری را که رحمت نهد در کنار　　　در آورد محبوب پروردگار
[۲۳) بخوابی که بیداری بختِ او　　　ز تار نظر یافتی رخت او
سحرگه که وقتِ سجودش رسید　　　ز همنامِ یزدان درودش رسید
به شادی در آمد علی از درش　　　وصال علی، شادی دیگرش
شب از بادهٔ قدس ساغر گرفت　　　صبوحی ز دیدار حیدر گرفت
جمالِ علی چشمهٔ نوش بود　　　صبوحی هم از بادهٔ دوش بود
دو همراز باهمدگر راز گوی　　　نشانهای بینش، بهم باز گوی
دو چشم است و هر چشم را بینشیست　　　ولی، انچه بینند هر دو، یکیست
نگنجد دوئی در نبی و امام　　　علیه الصلواة　علیه السلام

منقبت

هزار آفرین بر من و دینِ من　　　که منعم پرستی ست آئین من
چراغی که روشن کند خانه ام　　　تو گوی منش نیز پروانه ام
حریفی که نوشم می از ساغرش　　　بهر جرعه گردم بگردِ سرش
بر آنم که دادار، یکتاستی　　　فروغِ حقائق ز اسماستی
به هر گوشه از عرصهٔ این طلسم　　　دهد روشنائی جداگانه اسم

هر آن شی که هستی ضرورش بود / باسمی ز اسما ظهورش بود
کز آن اسم، روشن شود نام او / بدان باشد آغاز و انجام او
بود هرچه بینی به سودای دوست / پرستارِ اسمی ز اسمای دوست
هر آئینه، در کارگاهِ خیال / کز آنجاست، انگیزش حال و قال
لبم، در شمار "ولیُ اللهیست" / دلم، رازدارِ علی اللهیست
چو مربوبِ این اسمِ سامیستم / نشانمندِ این نامِ نامیستم
بلندم بدانش نه پستم همی / بدین نام، یزدان پرستم همی
نیاساید اندیشه، جز با علی / ز اسما نیندیشم، الا علی
ببزم طرب همنوایم علیست / به کنج غم، اندهربایم علیست
به تنهائیم رازگوئی به اوست / به هنگامه ام پایه جوئی به اوست
در آئینهٔ خاطرم، رو دهد / به اندیشه پیوسته نیرو دهد
مرا، ماه و مهر و شب و روز، اوست / دل و دیده را، محفل افروز، اوست
به صحرا به دریا براتم از وست / به دریا، ز طوفان نجاتم از وست
"خداگوهری" را، که "جان" خوانمش / از آن داد، تا بر وی افشانمش
مرا مایه، گر دل و گر جان بود / ازو دانم، (۱) ارخود ز یزدان بود
کنم از نبیؐ روی در بوتراب / به مه بنگرم جلوهٔ آفتاب
ز یزدان نشاطم به حیدر بود / ز قلزم به جو، آب خوشتر بود
نبی را پزیرم به پیمانِ او / خدا را پرستم، به ایمانِ او
خدایش روا نیست هر چند، گفت / علی را توانم خداوند گفت
پس از شاه، کس غیر دستور نیست / خداوندِ من، از خدا دور نیست
[۲۴] نبی را، اگر سایه صورت نه داشت / تردد ندارد، ضرورت نداشت
دو پیکر، دو جا در نمود آمده / اثرها به یک جا فرود آمده
دو فرخنده یارِ گرانمایه بیں / دو قالب ز یک نور و یک سایه بیں
بدان اتحادی که صافی بود / دو تن را یکی سایه کافی بود
ازان سایه یکجا گرایش کند / که احمد ز حیدر نمایش کند
به هر سایه کافتد، ز بالای او / بود از نبی، سایه همپای او
زهی قبلهٔ اهل ایمان، علی / به تن گشته همسایهٔ جان علی
پدیدار در خاندان نبی / بکیتی در، از وی بشان نبی
بیک سلکِ روشن ده و یک، گهر / نبی را جگر پاره، (۱) او را جگر

(۱) حضرت علی کے خاندان میں گیارہ ائمہ ہوئے۔

جگر پاره ها چون برابر نهند ... به گفتن، جگر نام آن بر نهند
علی راست بعد از نبی جای او ... همان حکم کل وارد، اجزای او
همانا، پس از خاتم المرسلین ... بود تا به مهدی علی جانشین
نژاد علی با محمد یکیست ... محمد همان تا محمد یکیست
در احمد الف نام «ایزد» بود ... ز میم، آشکارا محمد بود
الف میم را چون شوی خواستار ... نماند ز احمد به جز هشت و چار
ازین نغمه، کانیک ره هوش زد ... به دل ذوق مدح علی جوش زد
ز کویش به گلخن، سخن می کنم ... ستم بر گل و نسترن می کنم
ز نطقش، بگفتار خوان می نهم ... سخن را شکر در دهان می نهم
ز لطفش، به هستی خبر می دهم ... بریگ روان دجله، سر می دهم
علی آن ز دوش نبی رفرفش ... علی آن ید الله را کف کفش
خدا را گزین بندهٔ راز دار ... خدا بندگان را، خداوندگار
به تن، بینش افروز آفاقیان ... بدم دانش آموز اشراقیان
به کثرت، ز توحید پیوند بخش ... به بی برگ نخل برومند بخش
به سائل ز خواهش فزون ترسپار ... به لب تشنهٔ جرعه کوثر سپار
نوید ظفر گردی از لشکرش ... حساب نظر فردی از دفترش
گداز غمش، کیمیای سرشت ... غبار رهش، سیمیای بهشت
نگه، کوثر آشامد از روی او ... روان تازه روگردد، از بوی او
نیازرده گوشش ز آواز وحی ... ضمیرش سرا پردهٔ راز وحی
به راه حق اندر، نشانها ازو ... به هر نکته در، داستانها ازو
به پیوند او، ربط هر سلسله ... خود او را رهی (۱) خضر هر مرحله
گزشته به معشوقی از همسری ... بدوش نبی پایش از برتری
زمین و فلک در گزرگاه او ... غبار سحر خیزی آه او
اگر پارهٔ گشته، پستی گرا ... بود پارهٔ همچنان بر هوا
بیاد حق، از خواهش نفس دور ... ز شادی ملول، و بانده صبور
[۲۵] به چشمی که گرید ببزم اندرون ... دل آسوده خسپد برزم اندرون
به درویشیش فر شاهنشهی ... زهی خاکساری و ظل اللهی
هوا و هوس گشته فرمان پزیر ... به فرمان روائی حصیرش، سریر
خرد، زله خوارش به فرزانگی ... قضا پیشکارش، بمردانگی

(۱) رهی: بمعنی غلام - ۱۲ - (غالب)

نهانش، بیاد آوری، دلکشاست | عیانش بری(۱) نام، مشکل کشاست
براهیم خوی، سلیمان فری | مسیحا دمی، مصطفیٰ گوهری
لباسِ وفا را، طرازِ عمل | جهانِ کرم را صباح ازل
نهادش به خلق خدا مهر خیز | جبینش، بدرگاه حق سجده ریز
نوید نجاتِ اسیران غم | نظرگاهِ احرامیانِ حرم
ز شش سو، بسویش نگاهِ همه | ولادت گهش، قبله گاه همه
روان و خرد، گردی از راه او | نه ایزد، ولی کعبه درگاه او
حدوثش نمودِ حدوثِ جهان | بگردندگی، در گهش، آسمان
اگر خاکبازانِ دشتِ نجف | به خرشید سازی کشانید کف
چو انجم به شب مهر گیتی فروز | نیارند مردم، شمردن بروز
نبی را جگر، تشنهٔ روی او | خدا را، بخواهش نظر، سوی او
کسانی که اندازه پیش آورند | سخنها ز آئین و کیش آورند
بنادانی از شورِ گفتار من | سگالند، ز انگونه، سنجار من
که آرایش گفتگو کرده ام | به حیدر ستائی غلو کرده ام
مرا، دل خود از غصه بیتاب باد | ز شرمِ تنک مائگی آب باد
چه باشد، ازیں بیش شرمندگی | که خور (۲) را ستایم به رخشندگی
به بحر از روانی سرایم سرود | به خلد از ریاحین فرستم درود؟
به گلشن برم برگی از نسترن | به پیچاک سنبل فروشم شکن
ستایم کسی را که در داستان | شوم باسخن آفرین، همزبان
بهرد و قبول کسانم، چه کار | علی بایدم، با جهانم چه کار
در اندیشه پنهان و پیدا علی ست | سخن کز علی می کنم، باعلی ست
دلم در سخن گفتن، افسرده نیست | همانا خداوندِ من مرده نیست
چو خواهم حدیثی سرودن ازو | بود گفتن از من، شنودن ازو
گر از بنده های خدا چو منی | که در خرمن ارزد، به نیم ارزنی
علی را پرستد به کیش خیال | چه گم گردد، از دستگاه جلال
گلستان، که هرسو هزارش گل ست | همه سبزه و لاله و سنبل ست
اگر رفتِ برگِ خزانی ازان | چمن را نباشد زیانی ازان

~~(باقی آئندہ)~~

(۱) متن میں ''برمی'' ہے اور غلط نامے میں تصحیح نہیں ہے، ہم نے کلیات سے صحیح کیا ہے۔
(۲) متن میں ''خود را'' ہے لیکن صحیح یہی ہے جیسا کہ کلیات میں ہے۔

مثنوی ابر گہر بار

مرزا اسد اللہ خان غالب

ندارد غم و غصہ یزدان پاک — علی را اگر بندہ باشم چہ باک
تو غافل ز ذوقِ ثنا گوئیم — سزا گویم و نا سزا گوئیم
مرا نا سزا گفتن آئیں مباد — لب من رگ ساز نفریں مباد
بود گرچہ باہر کسم سینہ صاف — من و ایزد البتہ نبود گزاف
کہ تا کینہ از مہر بشناختم — بکس غیر حیدر نپرداختم
جوانی برین در بسر کردہ ام — شبی در خیالش سحر کردہ ام
کنونم کہ وقت گزشتن رسید — زمانِ بحق باز گشتن رسید
دمادم بجنبش ورای دلست — شنیدن رہین صدای دلست
کہ بر خیزد آہنگ رہ ساز دہ — بہ جمازۂ خفتہ آواز دہ
بشبگیر زین تیرہ مسکن برآ — بہ جنبان درای و برفتن درآ
نجف کان نظر گاہ آمید تست — طرب خانۂ عیش جاوید تست
نہ دورست چنداں کہ فرسخ شمار — برنجاند اندر شمردن یسار
دلیرانہ راہے بریدن تواں — بہ آرامگاہے رسیدن تواں
برانست دل بلکہ من نیزہم — کہ چوں جاں خود آنجاست تن نیزہم
بود گرچہ ثابت کہ چوں جاں دہم — علی گویم و جاں بیزداں دہم
بہ ہند و عراق و بگلزار و دشت — بسوی علیؑ با شدم باز گشت
ولیکن چو آں ناحیہ دلکشست — اگر در نجف مردہ باشم خوشست

یہ مثنوی کی آخری قسط ہے۔ پہلی تین قسطیں جنوری، اپریل اور جولائی ۱۹۶۶ء کے شماروں میں شائع کی جا چکی ہیں۔ مرتب (مرتضیٰ حسین فاضل) کا مقدمہ پہلی قسط کے ساتھ شائع کیا گیا تھا۔ (ادارہ)

خوشا عرفی و گوهر افشاندنش / باندازِ دعوی پر افشاندنش
که ناگاه کار خود از پیش برد / بدشت نجف لاشهٔ خویش برد
تن مرده چون ره بمژگان رود / اگر زنده خواهد خود آسان رود
چو عرفی سر و برگ نازم کجا / بدعوی زبان درازم کجا
چو عرفی بدرگاهم آن روی کو / چنان دادرس جذبه زانسوی کو
نگویم غلط با خودم خشم نیست / زمژگان خویشم خود این چشم نیست
مزن طعنه چون پایهٔ خاص هست / نباشد اگر جذبه اخلاص هست
چو اینست و از خواجه آن بایدم / ز غم چشم قلزم فشان بایدم
زدل گریه اندوه رشکم برد / نه مژگان مگر سیل اشکم برد
من این کار بر خود گرفتم بچشم / بمژگان گران رفت رفتم بچشم
بگریم ز غم بو که شادم کنند / گهر سنج گنج مرا دم کنند
بگریم که سیلم ز سر بگزرد / نه از سر ز دیوار و در بگزرد
سرشکے که از دیدهٔ من چکد / دگر باره از چشم رو زن چکد
طلب پیشگان را بدعوی چه کار / ز بخشنده یزدانم امید وار
که جان بر در بوترابم دهد / در ان خاک فرمان خوابم دهد
چه کاهد ز نیروے گردان سپهر / چه کم گردد از خوبی ماه و مهر
که دلخستهٔ دهلوی مسکنے / ز خاک نجف باشدش مدفنے
خدایا بدین آرزویم رسان / ز اشک من آبی بکویم رسان
نفس در کشم جاے گفتار نیست / تو دانی و این از تو دشوار نیست
کزین بعد در عرصهٔ روزگار / بروے زمین یا بکنج مزار

ز غالب نشان جز بران در مباد
چنین باد فرجام و دیگر مباد





مغنی نامه

مغنی دگر زخمه بر تار زن / گل از نغمهٔ تر بدستار زن
به پردازش آن گل افشان نواے / نگویم غم از دل دل از من رباے
دل از خویش بردار و بر ساز نه / هم از خویش گوشے بر آواز نه
ز گنجینهٔ ساز بردار بند / درین پرده نقشے بهنجار بند
برامش بزاور هم آواز شو / به آهنگ دانش نوا ساز شو

که دانم ز دستانسرایے چنیں　　دلآویز باشد نوائے چنیں
ز کام و زبان هر سه جا را درود　　ز جان جاودانی روان را درود
گهر جویے را مژده کز تیره خاک　　درخشد همی گوهر تابناک
که هر گوهرے را که دارند پاس　　بدان گیر و اندازه گوهر شناس
دمے کاندر آئین زمن میرود　　تو دانی سخن در سخن میرود
سخن گرچه گنجینهٔ گوهرست　　خرد را ولے تابشے دیگرست
همانا بشبهاے چون پر زاغ　　نه بینی گهر جز بروشن چراغ
به پیرائش این کهن کارگاه　　بدانش تو ان داشت آئین نگاه
بود بستگی را کشاد از خرد　　سر مرد خالی مبادا از خرد
خرد چشمهٔ زندگانی بود　　خرد را به پیری جوانی بود
فروغ سحرگاه روحانیان　　چراغ شبستان یونانیان
پگاهے که پوشیده رویان راز　　به خمیازه جستند از خواب ناز
چه خمیازه عنوان نام آوری　　خمارے مئے خواهش دلبری
ازان پیش کاین پرده بالا زنند　　نگه را صلائے تماشا زنند
ردائے فلک گوهر آما شود　　بساط زمین عنبر اندا شود
نوردی ازان پرده بر جاے خویش　　برون داد نورے ز سیماے خویش
ز حالی که رخشانیٔ برق زد　　سرا پرده جوش انا الشرق زد
نخستین نمودار هستی گراے　　خرد بود کامد سیاهی زداے
به پیمانه هاے نظر نور پاک　　نمودند قسمت براجزاے خاک
ز هر ذره کان آفتابے شود　　نگه سر خوش کامیابے شود
هنوزم در آئینهٔ رنگ بست　　خیالے ازان عالم نور هست
که بینی بتاریکیٔ روز من　　فروزان سواد دل افروز من
کف خاک من زان ضیا گستریست　　که چون ریگ رخشان بانجم گریست
کسی کو دم از روشنائی زند　　بخود فال دانش ستائی زند
درین پرده خود را ستایشگرست　　که دانند مردم که دانشورست
خرد جویم از خود بود مرگ من　　به هستی خرد بس بود برگ من
سخن گرچه پیغام راز آورد　　سرود ارچه در اهتزاز آورد
خرد داند این گوهرین در کشاد　　ز مغز سخن گنج گوهر کشاد
خرد داند آن پرده بر سازبست　　برامش طلسم ز آواز بست

بدانش توان پاس دم داشتن
شمار خرام قلم داشتن

ازیں بادہ ہر کس کہ سر مست تر
پافشاندن کنج تر دست تر

بمستی خرد رهنماے خودست
رودگر ز خود هم بجائے خودست

بکام دل مے پرستاں شبے
بساقی گری خاست نوشیں لبے

تبسم کناں بادہ در جام ریخت
پئے نقل از پستہ بادام ریخت

ز لب بوسۂ بر لب جام زد
بخود کرد پیمانہ را نامزد

لبش را مے از بسکہ افشردہ تنگ
بیامیخت با لب چو بالعل رنگ

همیخواست با تشنگاں دستبرد
خودش بادۂ خویش از دست برد

بداں مئے کہ خود خورد و از دست شد
نہ یک تن دو تن کانجمن مست شد

کجا در خور آں شرابیم ما
ز میخوارہ ساقی خرابیم ما

چو ساقی رہ خود نمائی گرفت
بمستی خرد زور دائی گرفت

سیہ مست تر ہر کہ هشیار تر
سبکدوش تر چوں گرانبار تر

جگر گوں نوای کہ نامش دلست
ز تہ جرعہ خواران ایں محفلست

نشیدی کہ مستاں ایں مے کشند
صریر از قلم نالہ از نے کشند

سرود سخن روشناس همست
کہ ہر یک ز وابستگان دمست

بود در شمار شناساورے
خرد را بگفتار هم گوهرے

زہے کیمیاے معانی سخن
بخود زندۂ جادوانے سخن

سخن را ازاں دوست دارم کہ دوست
بہ تصدیق ازما طلبکار اوست

سخن گرچہ خود گوهرین افسرست
سخن در سخن لعل با گوهرست

سخن بادہ اندیشہ میناے او
زباں بے سخن لاے پالاے او

بہ پیمودن بادہ پیمانہ گوش
خرد ساقی و خود خرد جرعہ نوش

حریفان دریں بزم همواره مست
ببوی ز مئے جملہ یکبارہ مست

پلنگینہ پوشاں دریں انجمن
چو گردوں بر قص اندروں چرخ زن

خرد کردہ در خود ظهورے دگر
دل از دیدہ پر رفتہ نورے دگر

ز گنجی کہ بینش بویرانہ ریخت
در آفاق طرح پریخانہ ریخت

ز دو دن ز آئینہ ز نگار برد
ز دانش نگہ ذوق دیدار برد

دریں حلقہ او باش دیدار جوی
بدر ویزۂ (۱) رنگ آوردہ روی

خرد کردہ عنوان بینش درست
رقم سنجئی آفرینش درست

(۱) درویزہ بمعنی در یوزہ بهیک ۱۲ -

فروغِ خرد فرهٔ ایزدیست
خدا ناشناسی ز نا بخردیست

نظر آشنا روی دانائیش
عمل روشناس توانائیش

ز اندیشه دم زد نظر نام یافت
بکردار رفت از اثر کام یافت

بچشم سبک سر ازو گوش تاب
گرانهاے خواهش ازو در حساب

چناں سطوتش را زبوں خشم و آز
که فرمان او برده گرگ و گراز

غضب را نشاط شجاعت دهد
ز خواهش به عفت قناعت دهد

باندازه زور آزمائی کند
خورد باده و پارسائی کند

بدیں جنبش از مرگ بخشد نجات
بر اندیشه پیماید آب حیات

منشهاے شایسته عادت شود
نظر کیمیائے سعادت شود

ز دانش پدید آید آئین داد
رسی چوں بدیں پایه نعم المعاد

برند از تو گر خود سرایندگی
ندارد زبانی بپایندگی

جگر خون کن و از دل آزاد زی
بدیں جاودانی رواں شاد زی

چناں داں که مردے براسپے سوار
بدشتی رخ آورده بهر شکار

جگر خواره یوزیست همراه او
جگر خوارئ یوز دلخواه او

کند گر باندیشه رفتار ها
نگهدار اندازهٔ کارها

نگیرد سمندش رهِ توسنے
بود رام پوزش بصید افگنے

به نیروی مردی و غمخوارگی
همش یوز آسوده هم بارگی

چنیں کس بدینگونه رخش و پلنگ
تواند که صیدے در آرد بچنگ

د گر دشت پیما هنر پیشه نیست
شناسائے فرجام اندیشه نیست

ره انجام بیراهه پوئی کند
دو اندر روش زشت خوئی کند

چرد در چراگاه تا برگ و شاخ
رود درپے صید در سنگلاخ

بجوشد بسر مغز رخشش از تموز
به خارا شود سفته چنگال یوز

بمستی یکے گشته پولاد پای
ز تندی یکے رفته پولاد خای

مر ایں رازپر"ی شکم باد ناک
مر آں رازگرمی زباں چاک چاک

سوار اندریں هر زه گردی لژند
نه رویش براه و نه صیدش به بند

سواری که رخشش نه فرماں برد
ندانم که بیچاره چوں جاں برد

من بیخبر کاین قدم میزنم
مهندار کز داد دم میزنم

بدیں دم که در نامه را نم همے
بداں خاک ناچیز ما نم همے

کزاں خاک ریحان و سنبل دمد
د گر گونه گوں لاله و گل دمد

تماشائیاں را بود سرو و خاک　　بود همچنان جوهر خاک خاک
ز دردے کہ دل را بہم میزنند　　ز جوشے کہ خاطر بغم میزنند
بود در گزرگاه آواز من　　شناور بخوں گوش دمساز من
بدانش غم آموزگار منست　　خزان عزیزان بہار منست
غمی کز ازل در سرشت منست　　بود دوزخ اما بہشت منست
بغم خوشدلم غمگسارم غمست　　به بیدانشی پرده دارم غمست
ز من جوے در بدنکو زیستن　　جگر خوردن و تازه روزیستن
درشتی بخوبی زبوں داشتن　　رسد گر ستم غمزه پنداشتن
بعجز از دروں سو جگر سوختن　　بناز از بروں سو رخ افروختن
بہنگامہ نیرنگ ساز آمدن　　ز خود رفتن و زود باز آمدن
ز دل خار خار غم انگیختن　　خسک در گزار نفس ریختن
سمن چیدن و در ره انداختن　　دل افشردن و در چه انداختن
بدریوزه گنجینه اندوختن　　ببازیچه دانائی آموختن
طرب را به میخانه گردن زدن　　طرب خانه را قفل آهن زدن
رواں کردن از چشم همواره خوں　　بشورا به شستن ز رخساره خوں
برفتن سر از پاے نشناختن　　بماندن تن از جاے نشناختن
شگفتن ز داغے کہ بر دل بود　　نهفتن شرارے کہ در دل بود
بدیں جاده کاندیشه پیموده است　　غمم خضر راه سخن بوده است
نظامی نیم کز خضر در خیال　　بیا موزم آئین سحر حلال
زلالی نیم کز نظامی بخواب　　بگلزار دانش برم جوے آب
نظامی کشد ناز تابم کجا　　زلالی بود خفته خوابم کجا
مرا بسکہ در من اثر کرده غم　　بمرگ طرب سوبه گر کرده غم
نظامی بحرف از سروش آمده　　ز لالی ازو در خروش آمده
من از خویشتن بادل درد مند　　نواے غزل برکشیده بلند
غزل را چو از من نواۓ رسید　　ز والا ہسیجے بجائے رسید
که نشگفت کاین خسروانی سرود　　شود وحی دهم برمن آید فرود
نباشم گر از گنجه گنجم بس ست　　بغم گر چنیں پرده سنجم بس ست
کنونم بسر شور گفتار نیست　　بساز غزل زخمه بر تار نیست
بشعر ارچه کمتر شکیبم همے　　بدیں پرده خود را فریبم همے

کسی کش بجائے بود دل به بند
کسی را که با غم شمارے بود
که درخستگی چاره جوئی کند
چو میرد بر آں مرده نالد هم او
مرایں که چوں مشکل افتاده است
خود از درد بیتاب و خود چاره جوی
به تنهائی از همدمانِ خودم
کسم در سخن کارفرمائی نیست
چه گوید زباں آور بے نوا
شبے کاین ورق را کشودم نورد
شب از تیرگی اهرمن روئے بود
بخلوت ز تاریکیم دم گرفت
در آں کنج تار و شب هولناک
چراغے که باشد ز پروانه دور
نه بینی نشانے ز روغن درو
چراغے که بے روغن افروختم
ز یزداں غم آمد دل افروز من
نشاید که من شکوه سنجم ز غم
غم دل ز من مرحبا جوے باد

با فسانه لختے گسارد گزند
روا باشد ار غمگسارے بود
بغم خواری افسانه گوئی کند
سر انجام کارش سگالد هم او
چه خونهاست کاندر دل افتاده است
خود آشفته مغز و خود افسانه گوی
بدل مردگی نوحه خوان خودم
به بخشندگی همت افزای نیست
چه آید ز هیلاج بے کد خدا
به پرکار اندیشهٔ تیز گرد
ز سودا جهاں اهرمن خوئے بود
نشاط سخن صورت غم گرفت
چراغے طلب کردم از جان پاک
چراغے که بادا از هر خانه دور
کند شعله بر خویش شیون درو
دلی بود کز تاب غم سوختم
چراغ شب و اختر روز من
خرد رنجد از من چو رنجم ز غم
دلم زار و لب مرحبا گوئے باد

دلم همچو غالب بغم شادباد
بدیں کنج ویرانه آباد باد

ساقی نامه

بیا ساقی آئین جم تازه کن
بپرویز از مئے درودے فرست
به دور پیاپے به پیمانۂ مے
قدح را به پیمودن مے گمار
تکیسادمان را برامش در آر

طرازِ بساطِ کرم تازه کن
به بهرام از نے سرودے فرست
بشور دمادم بفرسائے نے
نفس را بفرسودن نے گمار
سهی سرو را در خرامش درآر

بخشم اربلائی ز یاران بگرد
بکام دل شادخواران بگرد

مبادا نظامی ز راحت برد
بدستان سوی خانقاهت برد

فریبش مخور چوں مے آشام نیست
ستم دیدهٔ گردش جام نیست

خود او راست از پارسا گوهری
سپهری سروشی بساقی گری

درع پیشه مسکیں چه داند ترا
به آرایش نامه خواند ترا

رضا جوے من شو که ساغر کشم
گرم نیل و جیحوں دهی در کشم

ز پیمودن مے بجام سفال
خورد دجله در ساغرم خاکمال

اگر زود مستم پریشاں نیم
و گر دیر مستم گرانجاں نیم

بزیرد ز مے گوهرم آب و رنگ
بمستی فزوں گرددم هوش و هنگ

ز اندازه سنجے برانم که تو
گرانمایهٔ لیک دانم که تو

بساقی گری رندو آزادهٔ
خوری باده اما تنک بادهٔ

هر آئینه چوں یک دو ساغر کشی
ز مستی خرد را بخوں در کشی

بلغزد ترا پا برفتار در
سرا سیمه گردے بهر کار در

بجاں در رسد کار کز تاب مے
گلوے صراحی ندانی ز نے

ازاں پیش کایں رفتگی رو دهد
گل جلوهٔ بیخودی بو دهد

بیندیش جاے و بیاراے بزم
نبه باده و گل به پهناے بزم

فروهشتهٔ از دو سو بر عذار
شکن در شکن طرهٔ مشکبار

به می دادن اے سرو سوسن قباے
بزلفِ درازت به پیچاد پاے

همانا تو دانستهٔ کز دو سال
ننوشم مے الا ببزم خیال

ز لب تشنگی چوں به مے در خورم
تو کمتر خور امروز تا بر خورم

تو آں چشمهٔ کز تو خضر آب خورد
سکندر ز لب تشنگی تاب خورد

نه خضرے که در آب باشی بخیل
تو آبے ولے کوثر و سلسبیل

هر آئینه چوں اعتقادا بی بود
منوش و بنوشاں که داد ایں بود

ز خود رفته ترکیست هندوے تو
عجب نبود از خوبیٔ خوے تو

که جوے رضاے ز خود رفتهٔ
دهی مے به ترکِ جگر تفتهٔ

تو اے آنکه پهلو نشین منے
به پیغاره اندر کمین منے

ندانی پس از روزگارے دراز
به مے کرده ام دست باوے دراز

در اندیشه محو تلاشم هنوز
قدح ساز و ساقی تراشم هنوز

دریں داستاں نیز گر دارسی
بخوبشست گفتارم از بیکسی

مئے خویش و جام سفال خودم   نہ ساقی کہ من ہم خیال خودم
چہ ساقی یکے پیکر سیمیا   مس آرزوئے مرا کیمیا
مرا دستگاہ مے و شیشہ کو   نشاطے چنیں جز ور اندیشہ کو
مے و شیشہ بگزار و بگزر ز من   ھمانا نہ من بلکہ ایں انجمن
گل و بلبل و گلستاں نیزھم   مہ و انجم و آسماں نیزھم
نمودیست کانرا بود بود ہیچ   زیاں ہیچ و سرمایہ و سود ہیچ
بعرض شناسائی ہر چہ ہست   بہ وہم ست پیدائی ہر چہ ہست
نہ ہرگہ کہ تنہا نشینی بجائے   بخاطر کنی طرح بستانسرائے
بہ آرایش باغ رو آوری   در آں باغ از دجلہ جو آوری
دمانے گل و نرگس از روئے خاک   نشانے بطرف چمن سرو و تاک
نوا گر کنی مرغ برشاخسار   بموج آوری آب در جوئبار
بخویش ار چہ داری گمانے ز باغ   بروں از تو نبود نشانے ز باغ
در اندیشہ پنہاں و پیدا توئی   گل و بلبل و گلشن آرا توئی
نمود دو گیتی بہ گیتی خدائے   چنینست دیگر ندانیم رائے
من و تو کہ بدنام پیرائیم   رقمہائے منشور یکتائیم
و لیکن چو ایں ایزدی سیمیاست   بدانست حسی چنیں دیر پاست
نمودے کہ حق راست نبود چرا   زماں چوں از آنجاست نبود چرا
دو گیتی ازاں جو نمے بیش نیست   ازل تا ابد خود دمے بیش نیست
زمان و مکاں را درق در نورد   خیالے بروں ریز از ہر نورد
نہ از من ز سعدی شنوتا چہ گفت   سخن گفت در پردہ اما چہ گفت
رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست   بر عارفاں جز خدا ہیچ نیست
دگر رہروی گوید از زیر دلق   کہ حقست محسوس و معقول خلق
خیالے در اندیشہ دارد نمود   ہماں غیب غیبست بزم شہود
نشانہائے راز خیال خودیم   نواہائے ساز خیال خودیم
خوشت باد غالب بساز آمدن   نواسنج قانون راز آمدن
بہ گیتی مگر حرف دیگر نماند   ویا خود ترا ہوش در سر نماند
کہ چوں سینہ کمتر دہد بانگ خوں   بہ نشتر کشائی رگ ارغنوں
چہ زاں راز پنہاں نوا برکشے   کہ چوں باز پرسند دم درکشے
بگفتار اندیشہ برہم مزن   در اندیشہ دل خوں کن و دم مزن

ندانی که دانش بگفتار نیست　　درین پرده آواز را بار نیست

ندانی که مینا شکستن بسنگ　　نه بخشد بدل ذوق کلبانگ چنگ

تصوف نزیبد سخن پیشه را　　سخن پیشه رند کژ اندیشه را

نشان مند ایں روشنائی نه‌　　غزل خوان و میخور سنائی نه‌

غزل گر نباشد نوائے دگر　　سر دل سلامت هوائے دگر

اگر مجلس آرای‌ را عودلیست　　بر آتش فگندن نمک سودنیست

غزل گر ملال آرد افسانه گوے　　کہن داستانہاے شاهانه گوے

من آں خواهم اے لا آبالی خرام　　گزیں پوپه خوشتر سگالی خرام

ز شاهان سخن گر گہر سفتنست　　سخن گفتن از حق جگر سفتنست

ننالے ز غم گر جگر سفته شد　　سخنہاے حق بیں که چون گفته شد

خود ایں نامه فہرست راز حقست　　دروں و برونش طراز حق ست

ز انگیز معنی و پرداز حرف　　بہنگامه بستی طلسمے شگرف

سخن چوں ز همدم به پیغاره نیست　　مرا از پزیرفتنش چاره نیست

بزهدم ثنا گوئے نا بوده کس　　بوا لائی جاه نستوده کس

نه زر گفت کانم ته خاک نیست　　سخن در سخن میرود باک نیست

سخن را خود آنگو نه دانم سرود　　گزیں نیز خوشتر توانم سرود

ولے تاب در خود نیابم کنوں　　صریر قلم بر نتابم کنوں

دریغا که در ورزش گفتگوے　　به پیری خود آرائی آورد روے

ببرنائیم روے پیری سیاه　　ز مو بود بر فرق مشکیں کلاه

کنوں نیست ظلِ همایم بسر　　به پیری فتاد ایں هوایم بسر

سیاهی ز موے سرم زود رفت　　مگر کاتش افسرد کایں دود رفت

شبابم که تاب و تبے بوده است　　ز شبہاے جوزا شبے بوده است

بدامن که دارم شمارے دراز　　شبے کوته و روزگارے دراز

نبود ارچه لبہائے خنداں مرا　　ولے در دهن بود دنداں مرا

که هر که بہنگامهِ غم خورد مے　　ز مردم نہاں در دل افشرد مے

چه گریم که لبہائے خنداں کجا　　جگر خایم از غصه دنداں کجا

به بے برگیم گلفشاں بودنست　　بدم سردی آتش زباں بود نست

دریغ از ترقیٔ معکوس من　　که باشد سر من بپابوس من

فلک بسکه نا چیز خواهد مرا　　ببالا نداما بکاهد مرا

ز سر باد پندار بیروں شده　　سہی سرو من بید مجنوں شده

بود قد خم گشته چوگان من   سرم گوی و اندیشه میدان من

چه غم گر فلک رنگم از روئے برد   توانم ز خود در سخن گوئے برد

زنا لم ز پیری جوانم برائے   هنوزم بود طبع زور آزمائے

سخن سنج معنے ترازم هنوز   بشیوائیِ شیوه نازم هنوز

هنوزم جگر موج خوں میزند   ز دل نیش غم سر بروں میزند

ز چشمم هماں خوں بد اماں چکد   به تن نبود امد ز مژگاں چکد

زحرفی که اندر ضمیر آید م   هنوز از دهن بوے شیر آید م

بهر بذله کز لب فشانم چوقند   خضر درمن قال گوید بلند

بدستاں زنی خامه منقار من   هدر خون مرغ گل از خار من

توانم که در کار گاهِ هنر   به نیروے یزداں پیرو ز گر

ز هم بگسلم باستانی تراز   سخن را دهم جاودانی تراز

سریرے ترازم که در سایه اش   بود بالشِ قد سیاں پایه اش

نهالے نشانم که در پاے او   مه و زهره ریزد ز بالاے او

رهے پیش گیرم کز اقبال من   دود خضر بیخود بد نبال من

نفس را کنم با دعائے گرو   که باشد مر آں را اثر پیش رو

مثالے نویسم که پیغمبراں   نویسند لا ریب فیه براں

زباں تازه سازم به نیروئے بخت   بذکر شهنشاهِ بے تاج و تخت

گزشت آنکه دستاں سراے کهن   ز کیخیسرو و رستم آرد سخن

منم کم بود در تراز کلام   شهنشه پیمبر سپهبد امام

ز فردوسیم نکته انگیز تر   ز مرغ سحر خواں سحر خیز تر

فرو مردن شمع ساسانیاں   بود صبح اقبال ایمانیاں

رقم سنج منشور یزدانیم   ز ایمانیم گویم ایمانیم

کسے را که نازد به بیگانگاں   خرد در شمارد ز دیوانگاں

باقبال ایماں و نیروے دیں   سخن را نم از سید المرسلیں

دریں ره پسیچ سفر هابسے ست   بود راست لیکن خطر هابسے ست

ز پالغزها کاندریں ره بود   بود ره دراز ارچه کوته بود

بمستی تواں نغز گفتار بود   مرا باید از خویش هشیار بود

سخن گفتن و پاس ره داشتن   سخن را ز سستی نگهداشتن

یکے در شبستاں بشبهاے وے   هم آتش نهد پیش وهم مرغ وے

یکے را بعشرت کہ شہریار — ز مے بوے مشک آید اندر بہار
مرا بس کہ دیماہ و گردی بہشت — نیامد بجزدانۂ سبحہ کشت
ببزمے کہ دروے بود اجتناب — ز رود و سرود و شراب و کباب
سخنورچہ گفتار پیش آورد — کزاں رنگ بررو ئے خویش آورد
نماند بشاہان دیہیم جوے — شمار شہنشاہ درویش خوے
دریں بزم اوباش را بار نیست — مے و ساغر و زخمہ و تار نیست
نہ من بلکہ اینجا برامشگری — اگر زہرہ آید شود مشتری
اگر جاے دستانسراے بدے — رہ و رسم جادو نواے بدے
زباں را برامش گروکردمے — دم جنبش زخمہ نو کردمے
ہمم زخمہ از دیگراں تیز تر — ہمم ساز دانش نوا خیز تر
بہ آزادگی خسروی می کنم ! — بدیں پشت دولت توی می کنم
نبا شد اگر ہاے دیں درمیاں — نہم ہفتخواں بلکہ ہفتاد خواں
پرم از تو برتر ببال گزاف — تو سیمرغ آری ومن کوہ قاف
تو سوسن فرستی بخنیاگری — مرا جنبش کلک رقص پری
تو کاں بادہ ہاے گوارا زنے — دم از نقل و مے آشکارا زنے
من و جام بے بادہ در خوں زدن — بلب تشنگی جوش جیحوں زدن
تر ازانکہ ایں طرز و ہنجار نیست — مرا با تو دعوی بگفتار نیست
ببیں تا چہ نازاں بخویش از منست — کسےکاں پس از تست و پیش از منست
بنامش گر از صاف مے قرعہ ایست — مرا نیز فرماں تہ جرعہ ایست
یکے صاف آب طرب ناک خورد — یکے ہود بہ تہ جرعگی پاک خورد
ز سرجوش نوشاں چگوئی خموش — بتہ جرعہ خواراں رہا کن خروش
بنوشیدن ار صاف مے خوشترست — ولے 'دردرا مستی' دیگرست
دگر غالب اے عہدوراے تو سست — بہ پیماں دانش وفاے تو سست
حدیث مے و شیشہ و جام چیست — چگوئی و ایں شیوہ را نام چیست
نگفتی کہ بیزار گشتم زمے — بریدم ز بزم و گزشتم ز مے

ز دیوانگی تاکے اے شور بخت | نہی در گزرگاہ سیلاب رخت
برفتار ناخوش مشو تیز گرد | دریں رہ بشوخی مینگیز گرد
بہ مستی دریں راہ دستاں مزن | میا شوب و ہوئی چومستاں مزن
ادب در زمیں جوے و آئیں گزیں | بہ فن سخن شیوۂ دیں گزیں
براہے کنی پویہ کز ہائے تو | درخشد چو خورشید سیمائے تو
بکاری ز دی دست کز ساز تو | دم جبرئیلست ہمراز تو
چوں کشتی نشینان دریا نورد | بسیراز رہت بر مخیزاد گرد

ترا بخت درکار یاری دہاد
بہ پیوند دیں استواری دہاد




— * —

